امام بخاریؒ کی ایک اصطلاح
اور
حضرت محدث الاعظمیؒ کی تحقیق
از
ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی
باھتمام
مولانا رشید احمد الاعظمی
مُدیر
المجمع العلمی
مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ مرقاۃ العلوم . مئو

امام بخاری کی ایک اصطلاح
اور
حضرت محدث الاعظمی کی تحقیق

از

ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی

باہتمام

مولانا رشید احمد الاعظمی

ناشر

نام کتاب	:	امام بخاری کی ایک اصطلاح اور حضرت محدث الاعظمی کی تحقیق
تصنیف	:	ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی
صفحات	:	۷۶
سن اشاعت	:	۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء
طبع اوّل	:	گیارہ سو
قیمت	:	
باہتمام	:	(حضرت مولانا) رشید احمد الاعظمی
ناشر	:	المجمع العلمی، مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ

ملنے کا پتہ

مرقاۃ العلوم۔ پوسٹ بکس نمبر (۱)

مئوناتھ بھنجن۔۲۷۵۱۰۱

یوپی۔انڈیا

طباعت: شیروانی آرٹ پرنٹرز، دہلی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، والتابعین لھم بإحسان إلی یوم الدین.

أمــا بــعــد! والد گرامی محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی قدس اللہ سرہ العزیز کا اسلامی علوم وفنون، بالخصوص علم حدیث کے اندر جو مرتبہ ومقام تھا، وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے، علم حدیث کے اندر آپ کی مہارت وتفوق کا عالم اسلام کے بڑے بڑے محدثین اور علماء صدق دل سے اعتراف کرتے تھے، اس مبارک اور پاکیزہ علم میں آپ کی دقت نظر اور بصیرت کی پوری دنیا قائل تھی، اور چوٹی کے اہل علم آپ سے استفادہ اور مشکل مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے، حدیث کے طلب گار اور شیدائی بلاد عرب اور دوسرے خطوں سے سفر کر کے آپ کے پاس آتے تھے، اور آپ کے منبع علم سے فیض یاب ہو کر واپس جاتے تھے۔

لیکن ایک طبقہ ایسا ہے جس کا مابہ الامتیاز ہی مخالفت اور عناد ہے، اس کا کام ہی علماء وفقہاء ومجتہدین کی شان میں بیہودہ گوئی کر کے صاف ستھرے ماحول کو پراگندہ اور زہر آلود کرنا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقے کے کچھ افراد نے امت مسلمہ کے اندر انتشار واختلاف پیدا کرتے رہنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ ابوالاشبال احمد شاغف نام کے کسی شخص کا ایک مضمون ایک رسالے میں شائع کیا گیا ہے، اس کے

اندر مضمون نگار نے خوب بدزبانی کی ہے، اور عصر حاضر کے تین جلیل القدر عالم ومحدث، حضرت محدث الاعظمی، مصر کے جلیل القدر محدث ومصنف علامہ زاہد کوثری، اور معروف شامی عالم ومحدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہم اللہ کی اہانت وتنقیص میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے، اس کے لیے علم حدیث کی ایک اصطلاح کو انھوں نے بطور ہتھیار استعمال کیا ہے، یہ اصطلاح تو محض ایک بہانہ ہے، اصل مقصد تو ان اہل علم کی توہین وتنقیص ہے۔

یہ مضمون لکھ کر مضمون نگار نے خود اپنی رسوائی کا سامان کیا ہے، یہ اس قدر غیر سنجیدہ، سطحی اور غیر علمی تحریر ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ سے علم حدیث سے ناواقفیت اور نادانی کا اظہار ہوتا ہے، اور محض غلط فہمی پھیلنے کے اندیشہ سے اس کا رد شائع کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔

بہت تردد اور پس وپیش کے بعد عزیزم ڈاکٹر مسعود احمد سلمہ نے صرف ہفتہ عشرہ میں مضبوط اور قوی دلائل کی روشنی میں اس مضمون کا جواب تیار کیا ہے، یہ جواب چونکہ علم حدیث کے نہایت اہم اور اصولی مباحث پر مشتمل ہے، اس لیے جواب سے ہٹ کر اپنے مشمولات کے لحاظ سے بھی یہ بڑی قدر وقیمت کا حامل ہو گیا ہے، اور علم حدیث کی نہایت اہم اور دقیق بحثیں اس کے اندر سمٹ کر آ گئی ہیں، اس وجہ سے یہ مضمون اگر چہ مجلہ ''المآثر'' میں قسط وار شائع ہو رہا ہے، لیکن اس کی افادیت کو دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو مستقل رسالے کی حیثیت سے شائع کر دیا جائے۔

خداوند قدوس سے دعا ہے کہ وہ اس رسالہ کو شرف قبولیت سے نوازے، اور اس کو نافعیت عطا فرمائے، آمین۔

رشید احمد الاعظمی

مدیر مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ مئو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم اسماء الرجال کی ایجاد اور اس کی ترویج و ترقی، علم و فن کی دنیا میں مسلمانوں کا ایک مایۂ ناز کارنامہ ہے، اس کی ایجاد اور ترویج و اشاعت نے بے شمار انسانوں کو کتب تاریخ و تراجم کے صفحات میں محفوظ کر کے، ان کو قیامت تک کے لیے زندہ جاوید کر دیا ہے، اس فن میں مسلمانوں کی عظمت و بلندی کو دنیا کی دوسری قومیں بھی ادب کے ساتھ جھک کر سلام کرتی ہیں، مسلمانوں کے اس عظیم الشان کارنامے اور ان کے علمی سرمائے کو دیکھ کر دوسرے مذاہب کے افراد حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہیں، بڑے بڑے یورپین دانشور اور مستشرقین اس خاص فن میں مسلمانوں کی فضیلت و برتری، اور اپنی بے مائیگی اور فروتری کے اعتراف پر مجبور ہیں۔

فن اسماء الرجال، علم الاسانید اور علم جرح تعدیل وغیرہ علم حدیث کی شاخیں ہیں، اور یہ سب اس طرح ایک دوسرے میں پیوست اور باہم مربوط ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اس علم کے ایجاد کی ضرورت یہ تھی کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی لائی ہوئی شریعت جو رہتی دنیا تک باقی رہنے والی ہے، بے داغ اور بے غبار ہو کر اس امت اور اس کے افراد تک پہنچ جائے، اور آپ کے اقوال و افعال آئینے کی طرح لوگوں کے ہاتھوں میں موجود اور محفوظ رہیں، اور اس کے لیے ضروری اور بنیادی چیز یہ تھی کہ احادیث نبویہ کے روایت کرنے والے وہ افراد، جن کے واسطے سے شریعت کے احکام بعد کے لوگوں تک پہنچتے ہیں، ان کے حالات زندگی، سوانح حیات، اور ان کے اخلاق

وعادات اور کردار سے متعلق تمام معلومات کتابوں میں محفوظ کر دیے جائیں۔

علم جرح وتعدیل کی ضرورت اوراس کے جواز کا ثبوت تو خود قرآن کریم سے فراہم ہوتا ہے، لیکن اس کا سرا صحابۂ کرام بلکہ خود حضرت رسول مقبول ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے، علامہ ابن الصلاح اپنے مقدمہ (ص:۲۱۹) میں علم جرح وتعدیل کے ماہرین کے سلسلے میں مشہور محدث صالح جزرہ کا ایک قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

يعني أنه أول من تصدى لذلك و عني به، وإلا فالكلام فيه جرحاً و تعديلاً متقدم ثابت عن رسول الله ﷺ، ثم عن كثير من الصحابة والتابعين فمن بعدهم، و جوز ذلك صوناً للشريعة و نفياً للخطأ والكذب عليها.

یعنی شعبہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے جرح وتعدیل کے ساتھ خاص توجہ اور اہتمام کا مظاہرہ کیا ہے، ورنہ جرح تعدیل کا فن پہلے سے موجود اور رسول اللہ ﷺ نیز بہت سے صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے لوگوں سے ثابت ہے، یہ محض شریعت کی حفاظت اوراس میں غلطی اور خطا کے وقوع سے بچانے کے لیے روا رکھا گیا ہے۔

علوم حدیث کی شاخوں میں فن جرح وتعدیل سب سے مشکل اور نازک فن ہے، اور ماہر فن کو اس میں بہت زیادہ باریک بینی، ژرف نگاہی اور جزرسی سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، بسا اوقات ایک ہی راوی کی نسبت اتنی مختلف اور متضاد رائیں ہوتی ہیں کہ بڑے بڑے باکمال اور اصحاب بصیرت اہل علم بھی اس کی روایت کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے، یا حتمی رائے قائم کرنے میں حیران و پریشان ہو جاتے ہیں، اور زبان کھولتے ہوئے محتاط نظر آتے ہیں، یہ انداز اگلے محدثین کا تھا، جن کے قلوب خوف خدا سے معمور تھے، اور جن کے زبان وقلم کوئی فیصلہ کرنے میں حد سے زیادہ

محتاط ہوا کرتے تھے، آج صورت حال مختلف ہوچکی ہے، اور ذرا ذرا سے قد کے لوگ حدیثوں پر حکم لگانے میں اس قدر جری اور بے باک ہوگئے ہیں کہ الامان والحفیظ!!

محدثین جرح وتعدیل کے لئے بہت سے الفاظ وعبارات استعمال کرتے ہیں، جس کے لئے تعدیل وتوثیق، اور جرح وقدح کے الفاظ کی درجہ بندی کی گئی ہے، اور ہر ایک کا الگ الگ محمل متعین کرکے اس کی روایت پر اسی کی روشنی میں حکم لگایا جاتا ہے۔ ان اصطلاحات میں کچھ تو ایسی ہوتی ہیں، جن کو تقریباً تمام ائمۂ جرح وتعدیل بولتے اور استعمال کرتے ہیں، اور بعض ایسی ہیں جو کسی ایک امام کے ساتھ خاص ہیں، اور اس لفظ یا اصطلاح کو وہی استعمال کرتے رہے ہیں۔

زبدۃ المحدثین، سرتاج اولیاء واتقیاء حضرت امام بخاریؒ کی امامت جس طرح حدیث کی روایت اور جمع وتالیف میں مسلّم ہے، اسی طرح ان کا شمار علم جرح وتعدیل کے بھی ائمہ میں ہوتا ہے، اور اس باب میں بھی ان کی مہارت وحذاقت تسلیم شدہ اور ناقابل انکار ہے، ان کا شمار علماء متقدمین کے اس زمرے میں ہوتا ہے، جس نے راویوں کے حالات پر کتابیں تصنیف کی ہیں، اور تاحد امکان راویوں کا احاطہ کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس موضوع پر کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان میں سے بعض آج بھی یادگار اور فن حدیث سے تعلق رکھنے والے اہل علم کے لیے اہم مرجع ہیں۔

امام بخاری کا ایک امتیاز اور غایت تقوی یہ ہے کہ وہ جرح وتعدیل کے باب میں بہت محتاط ہیں، اور راوی پر جرح وقدح کے لیے بسا اوقات صاف اور صریح الفاظ نہ استعمال کرکے ایسے صیغے استعمال کرتے ہیں، جن میں وہ اپنے مافی الضمیر کو اشارے کنائے میں ادا کرتے ہیں، اور فن جرح وتعدیل میں ان کو امام بخاری کی خاص اصطلاح کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔

امام بخاری کی ایک اہم اصطلاح "فیہ نظر" ہے، ان کی اس اصطلاح کو کچھ محدثین نے کسی راوی پر کی جانے والی سخت جرحوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ مشہور ماہرِ جرح وتعدیل اور حافظِ حدیث امام ذہبی نے راویوں پر جرح کے جو درجات قائم کیے ہیں، ان میں اس صیغے کو تیسرے درجے پر رکھا ہے، انھوں نے "أردأ عبارات الجرح" کا عنوان قائم کر کے سب سے پہلے "دجال"، "كذاب" یا "وضاع" اور يضع الحديث" کو رکھا ہے۔

دوسرے درجے پر "متهم بالكذب" اور "متفق على تركه" کو رکھا ہے۔

اور تیسرے درجے پر "متروك"، "ليس بثقة"، "سكتوا عنه"، "ذاهب الحديث"، "فيه نظر"، "هالك"، اور "ساقط" وغیرہ اصطلاحیں ہیں۔

اس کے بعد چوتھے اور پانچویں درجے کی اصطلاحیں اور عبارتیں ہیں (۱)

یہ تو علامہ ذہبی کی تقسیم ہے، جس میں "فیہ نظر" کی عبارت تیسرے درجے پر ہے، لیکن ایک دوسرے امامِ حدیث علامہ زین الدین عراقی کی تقسیم میں یہ اصطلاح دوسرے درجے پر آتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے الرفع والتکمیل میں تحریر فرمایا ہے۔ (۲)

علامہ ذہبی اور حافظ عراقی نے امام بخاری کی مذکورہ بالا اصطلاح کے لیے اس محمل کو قیاس اور استقراء سے متعین کیا ہے، حضرت مولانا فرنگی محلی الرفع والتکمیل میں لکھتے ہیں:

---

(۱) دیکھیے الرفع والتکمیل ص ۱۰۹۔ (۲) ص ۱۱۸۔

قال الذهبي في ميزانه في ترجمة (عبدالله بن داؤد الواسطي): قال البخاري: فيه نظر، ولا يقول هذا إلا فيمن يتهم غالباً. (١)	ذہبی نے میزان الاعتدال میں عبداللہ بن داؤد واسطی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے ان کی نسبت فیہ نظر فرمایا ہے، اور امام بخاری اس لفظ کو اکثر و بیشتر اسی کے لیے استعمال کرتے ہیں جو متہم ہو۔

اور یہی بات علامہ عراقی نے بھی کہی ہے، مولانا فرنگی محلی لکھتے ہیں:

وقال العراقي في شرح ألفيته: فلان فيه نظر، وفلان سكتوا عنه، هاتان العبارتان يقولهما البخاري فيمن تركوا حديثه. (٢)	عراقی نے الفیہ کی شرح میں لکھا ہے کہ کسی راوی کے بارے میں فیہ نظر اور سکتوا عنہ امام بخاری اس کے لیے استعمال کرتے ہیں، جس کی حدیثیں محدثین نے چھوڑ دی ہوں۔

یہاں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے جن راویوں کی نسبت اس لفظ کو استعمال کیا ہے، ان کے حالات کا جائزہ لے کر حافظ ذہبی وعراقی نے یہ بات تغلیباً کہی ہے، خود امام بخاری نے اپنی اس عبارت کا یہی مطلب تحریر فرمایا ہے؟ یہ بات تحقیق طلب اور محتاج ثبوت ہے، چنانچہ ہمارے حضرت علامہ محدث الاعظمی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے:

''امام بخاری نے اپنے الفاظ سکتوا عنه اور فيه نظر کا مطلب خود کچھ نہیں بتایا ہے کہ کیا ہے؟ لوگ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے، اور یہ لوگ جو کہتے ہیں ممکن ہے صحیح ہو، لیکن یقین کے ساتھ

(١) الرفع والتکمیل ص ٢٥٣۔ (٢) ایضاً ص ٢٥٤۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام بخاری کا یہی مطلب ہے"۔(۱)

لیکن کیا حافظ ذہبی وعراقی نے امام بخاری کی اصطلاح کا جو مطلب بتایا ہے، اور اس کا جو محمل متعین کیا ہے، اس کو بطور قاعدہ کلیہ ہر جگہ جاری کیا جا سکتا ہے، حضرت محدث الاعظمی کے نزدیک اس کو امام بخاری کا قاعدہ کلیہ قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ اس میں دقت نظر اور بہت تحقیق وتفحص سے کام لینے کی ضرورت ہے، چنانچہ علامہ اعظمی نے بارہ (۱۲) ایسے راویوں کو مثال میں پیش کیا ہے، جن کے بارے میں امام بخاری نے "فیہ نظر" فرمایا ہے، اور دوسرے علماء جرح وتعدیل نے ان کی توثیق یا تعدیل کی ہے، اور ان کی روایتوں کو ساقط الاعتبار نہیں قرار دیا ہے، حضرت محدث الاعظمیؒ نے محدث وعلامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے:

لاینقضي عجبي حین أقرأ کلام العراقي هذا وکلام الذهبي أن البخاري لا یقول: (فیه نظر)، إلافیمن یتهمه غالباً، ثم أری أئمة هذا الشأن لا یعبأون بهذا، فیوثقون من قال فیه البخاري: (فیه نظر)، أو یدخلونه في الصحیح.	میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جس وقت میں عراقی اور ذہبی کی یہ بات پڑھتا ہوں کہ بخاری "فیہ نظر" اکثر وبیشتر اسی شخص کے بارے میں استعمال کرتے ہیں، جو ان کے نزدیک متہم ہوتا ہے۔ پھر میں اس فن کے ائمہ کو دیکھتا ہوں کہ اس جرح کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسے راویوں کی توثیق کرتے ہیں، جن کی نسبت بخاری نے (فیہ نظر) کہا ہے، یا اس کی روایت کردہ حدیث کو صحیح میں جگہ دیتے ہیں۔

اس کے بعد متعدد راویوں کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کو

(۱) رکعات تراویح ص ۸۳

نقل کر کے آخر میں لکھا ہے:

والصواب عندي أن ما قاله العراقي ليس بمطرد ولا صحيح على إطلاقه، بل كثيراً ما يقوله البخاري ولا يوافقه عليه الجهابذة. وكثيراً ما يقوله ويريد به إسناداً خاصاً، وكثيراً ما يقوله ولا يعني الراوي، بل حديث الراوي، فعليك بالتثبت والتأني. (۱)

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عراقی نے جو بات کہی ہے، وہ نہ تو قاعدہ کلیہ ہے اور نہ علی الاطلاق درست ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بخاری یہ بات کہتے ہیں، اور ان سے دوسرے ماہرین فن اتفاق نہیں کرتے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ امام بخاری (فیہ نظر) بول کر کوئی خاص سند مراد لیتے ہیں، اور بہت سی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اس عبارت سے ان کی مراد راوی نہیں ہوتا، بلکہ اس راوی کی حدیث ہوتی ہے، لہذا اس مسئلے میں بہت غور وفکر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

ذیل میں ان راویوں کے نام جن کی نسبت امام بخاری نے (فیہ نظر) فرمایا ہے، اور ان کے بارے میں دوسرے ائمہ کے اقوال کی جو تفصیلات حضرت محدث الاعظمی نے پیش کی ہیں، حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کیے جارہے ہیں۔

۱- بریدہ بن سفیان اسلمی کی نسبت بخاری نے فیہ نظر کہا ہے، مگر ابن حبان وابن شاہین نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے اس کی حدیثوں میں کوئی زیادہ منکر روایت نہیں دیکھی، اور امام نسائی نے اس کی روایت اپنے

---

(۱) اس پوری بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں قواعد في علوم الحديث (۲۵۴-۲۵۷) طبع ۵، اور الرفع والتکمیل (۳۸۹-۳۹۱) ط۳- نیز ملاحظہ فرمائیں رکعات تراویح ص۸۰-۸۳، طبع پنجم۔

سنن میں نقل کی ہے۔
۲-تمام بن نجیح کے حق میں بخاری نے فیہ نظر لکھا ہے، اور امام فنِ رجال یحییٰ بن معین نے اس کو ثقۃ کہا ہے، اسی طرح اسماعیل بن عیاش نے بھی- جو براہِ راست تمام سے واقف ہیں- تمام کو ثقہ کہا ہے، اور بزار نے صالح الحدیث کہا ہے، اور اس سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ خود امام بخاری نے رسالہ رفع الیدین میں تمام کی روایت سے تعلیقاً ایک اثر نقل کیا ہے (سوال یہ ہے کہ جب ایسا راوی اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ اس سے استشہاد یا اعتبار بھی کیا جا سکے تو امام بخاری نے اس کی روایت کیوں ذکر کی) نیز امام ترمذی وابوداؤد نے تمام کی روایت کو اپنے اپنے سنن میں نقل کیا ہے۔
۳-ثعلبہ بن یزید حمانی پر بھی یہی جرح بخاری نے کی ہے، مگر امام نسائی اس کو ثقہ کہتے ہیں، اور ابنِ عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس کی کوئی حدیث منکر نہیں پائی، اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور امام نسائی نے اس کی روایت مسند علی میں ذکر کی ہے، اور حافظ نے اس کو صدوق شیعي کہا ہے۔
۴-جعدہ مخزومی کے حق میں امام بخاری نے فیه نظر کہا ہے، اور اُن کی حدیث امام ترمذی نے جامع میں کم از کم تائیداً ذکر کی ہے (دیکھو ترمذی مع تحفہ ۲/ ۵۰) اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں اس کی نسبت "مقبول" لکھا ہے، اور حافظ یہ لفظ اس راوی کے حق میں بولتے ہیں، جس میں ایسی کوئی بات ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی حدیث قابلِ ترک ہو، اُن کی عبارت یہ ہے: السادسة من ليس له مِنَ الحديث إلا القليل ولم يثبت فيه ما يترك حديثه من أجله، وإليه الإشارة بلفظ مقبول يتابع وإلا فلين الحديث (تقریب ص ۳)
۵-جمیع بن عمیر تیمی کی نسبت بھی امام بخاری نے کہا ہے: في أحاديثه نظر مگر

ابو حاتم جیسے متشدد نے اس کے حق میں کہا ہے: محله الصدق، صالح الحديث (اس کا مقام راست گوئی ہے، اس کی حدیث ٹھیک ہے) اور ساجی نے بھی اس کو راست گو مانا ہے، اور عجلی نے اس کو ثـــــقة کہا ہے، اور حافظ ابن حجر نے اس کو صدوق يخطي ويتشيع کہا ہے، اور امام نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کی حدیثیں اپنے سنن میں داخل کی ہیں، بلکہ ترمذی نے اس کی بعض حدیثوں کو حسن بھی کہا ہے، اور حدیث حسن جیسا کہ ایک طالب علم بھی جانتا ہے قابلِ احتجاج ہوتی ہے، جمیع بن عمیر کی ایک حدیث جس کو ترمذی نے حسن کہا ترمذی مع تحفہ ج ۴ ص ۳۲۸ میں ہے۔

۶-حبیب بن سالم انصاری کو بھی امام بخاری نے فيـه نظـر کہا ہے، مگر ابو حاتم نے اس کو ثقہ کہا ہے، اور ابوداؤد بھی اس کو ثقہ کہتے ہیں، اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابنِ عدی نے کہا ہے کہ اس کی احادیث کے متون میں سے ایک بھی منکر نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے چاہے احتجاجاً نہ ذکر کیا ہو، مگر اس سے تو انکار ہی نہیں ہوسکتا کہ تائید کے لیے ذکر کیا ہے، اور تنہا امام مسلم نے ہی نہیں بلکہ اصحابِ سننِ اربعہ نے بھی اس کی روایت نقل کی ہے، نیز یہی وجہ ہے کہ حافظ ابنِ حجر نے تقریب میں اس کی نسبت لا بأس به لکھا ہے۔

۷-حُریش بن خِرّیت کی نسبت بھی امام بخاری نے (فيه نظر) کہا ہے، اسی کے ساتھ ان کے حق میں أرجــو بھی کہا ہے، شیخ عبدالرحمٰن یمانی معلّمی نے تاریخ کبیر کے اپنے حاشیے میں لفظ أرجو کی یہ تشریح کی کہ: كـانـه يريد أرجو أنه لاباس به، (یعنی شاید امام بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجھے توقع ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) اور تہذیب میں ہے کہ بخاری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ مجھے امید ہے کہ وہ ٹھیک ہے،

اورابوحاتم نے لاباس به (اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) کہا ہے۔
۸- راشد بن داؤد صنعانی پر بھی بخاری نے یہی جرح کی ہے مگر امام فن یحییٰ بن معین نے لیس به باس، ثقة (اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور وہ معتبر ہے) کہا ہے، اور دحیم نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے، اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور امام نسائی نے اس کی روایت سنن نسائی میں نقل کی ہے، اور حافظ نے اس کو صدوق لـه أوهام کہا ہے۔
۹- سلیمان بن داؤد خولانی کے حق میں بھی بخاری نے فیـه نـظـر کہا ہے، حالانکہ ابوزرعہ، ابوحاتم، عثمان بن سعید اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے ان کی تعریف کی ہے، اور ابن حجر نے کہا ہے کہ ان کے صدوق (راست گو) ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔
۱۰- صعصعہ بن ناجیہ کے متعلق بھی امام بخاری نے فیـه نـظـر کہا ہے حالانکہ وہ صحابی ہیں، ابن حجر نے تہذیب اور اصابہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔
۱۱- طالب بن حبیب مدنی انصاری کے بارے میں امام بخاری نے فیه نظر کہا ہے، مگر ابوداؤد نے ان کی روایت لی ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ أرجو أنه لا بأس به (میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) اور ابن حبان نے ان کو "ثقات" میں ذکر کیا ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۵/۱۰۶) میں ان کی توثیق کی ہے۔
۱۲- عبدالرحمٰن بن سلمان رُعینی کی نسبت بھی بخاری نے فیه نظر کہا ہے، حالانکہ ابن یونس نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور ابوحاتم نے کہا کہ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی اور ان کی حدیث ٹھیک ہے، اور ان کی ایک حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کے حضرت میمونہؓ کے گھر رات میں قیام سے متعلق ہے، نسائی نے ان کے حق

میں لیس بہ باس (اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) اور ابن حجر نے لا باس بہ (اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) کہا ہے، اور بخاری نے ان کو "الضعفا" میں شامل کیا تو ابو حاتم نے کہا کہ وہاں سے ان کا نام ہٹانا چاہئے۔

تنبیہ | ان میں پہلے جو راوی ہیں بریدہ بن سفیان اسلمی، ان کا تذکرہ اس عبارت میں نہیں ہے جس کو شیخ ابو غدہ نے قواعد في علوم الحديث اور الرفع والتكميل میں نقل کیا ہے، ان کے نام کا اضافہ ہم نے رکعات تراویح سے کیا ہے۔

شیخ ابو غدہ نے حضرت محدث اعظمی کی اس تحقیق کو نقل کرنے کے بعد اس کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے:

وقد أيقظ حفظه الله تعالى إلى موضوع هام من العلم، كان مأخوذاً بالتسليم والمتابعة من العلماء فجزاه خيراً عن السنة وعلومها.	اللہ تعالی مولانا کی حفاظت فرمائے، انھوں نے علم حدیث کی ایک اہم بحث کی طرف توجہ دلائی ہے، جس کو اہل علم اب تک (بے ردوکد) مانتے اور عمل کرتے رہے ہیں، اللہ تعالی مولانا کو حدیث اور علوم حدیث کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اس پوری بحث کے بعد ناظرین غور فرمائیں حضرت محدث الاعظمی کی عبقریت وامامت اور فن حدیث کے اندر کمال ومہارت پر، کہ ایسی دقیق اور باریک بحث جس کی طرف گیارہ بارہ صدیوں میں بڑے بڑے مایہ ناز اور بلند پایہ محدثین کی توجہ اور ذہن کی رسائی نہیں ہوئی تھی، اس کو ایک دو نہیں دسیوں مثالیں دے کر کس طرح اہل علم کی توجہ مبذول کرائی، تاکہ اہل علم تقلید اور جمود کا شکار نہ ہو کر، دقت نظر اور باریک بینی سے کام لیں، اور حقیقت تک رسائی اور امام بخاری کی مراد تک پہنچنے

کی کوشش کریں۔

حضرت محدث الاعظمیؒ کی یہ عجیب وغریب تحقیق جب اہل علم ونظر کے سامنے آئی، تو وہ یہ دیکھ کر محوحیرت رہ گئے کہ علم حدیث کا وہ نکتہ جو صدیوں تک ائمہ فن کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہے، حضرت محدث اعظمی نے اپنی خداداد لیاقت، دقت نظر، اور بے مثال ژرف نگاہی وبالغ نظری سے کس طرح اس کی تہ تک رسائی حاصل کی ہے، جب یہ تحقیق ارباب علم وفن کی نظروں سے گذری تو وہ اس کی تحسین وآفرین کیے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ مشہور شامی عالم ومحقق شیخ شعیب الارناؤوط نے اس تحقیق سے متاثر ہوکر تحریر فرمایا:

هذه فائدة نفيسة تنبئ عن إمامة هذا الشيخ — حفظه الله و نفع به — بعلم الجرح والتعديل ودراية واسعة بقضاياه. (۱)

یہ ایک بہترین فائدے کی بات ہے، جو علم جرح وتعدیل کے اندر شیخ (حضرت محدث الاعظمی) کی امامت اور اس کے مشکلات ومسائل کے کامل ادراک کا پتہ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے، اور ان سے نفع پہنچائے۔

یہ ہے اہل علم کا شیوہ اور انصاف ودیانت کا تقاضا کہ ان کے ہاتھ جب علم وتحقیق کا موتی آتا ہے، تو وہ اس کی قدر کرتے ہیں، اور اس پر ہدیۂ تشکر وامتنان پیش کرتے ہیں، اور یہی وہ چیز ہے جس نے آج چودہ سو سال بعد بھی علم دین کو زندہ وتابندہ کر رکھا ہے، ہر طرف علوم دینیہ کی کھیتیاں لہلہا رہی ہے، اور غیر مسلم قومیں بھی اس کی حیویت اور قوت نمو کے اعتراف پر مجبور ہیں۔

---

(۱) الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان ۴: ۲۹۲ — ۲۹۳.

مگر کچھ جماعتیں اور اس کے افراد ہیں کہ علمی تحقیق ان کے دلوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے، چنانچہ علامہ اعظمی کی مذکورہ بالا تحقیق کو جہاں اہل علم وتحقیق نے قدر کی نگاہ سے دیکھا، آنکھوں سے لگایا، اور صدائے تحسین وآفرین بلند کی، وہیں پر کچھ ایسے لوگ بھی تھے، جن کے دلوں میں آتشِ حسد بھڑک اٹھی، اور سینوں میں چھپی ہوئی آگ کو باہر آنے سے وہ نہ روک سکے۔

چنانچہ کوئی ''شیخ ابوالاشبال احمد شاغف'' صاحب ہیں، ''مقالات شاغف'' کے نام سے ان کے مقالات کا کوئی مجموعہ چھپا ہے، اسی میں سے ان کا ایک مقالہ بعنوان ''امام بخاری اور علم جرح وتعدیل'' منتخب کر کے گزشتہ چند برسوں سے مئو سے شائع ہونے والے ایک رسالہ ''افکار عالیہ'' کے جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۲ بابت اپریل تا جون ۲۰۰۶ء ربیع الاول تا جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ میں صفحہ ۲۵-۳۳ پر چھپا ہے، یہ مضمون اس قدر سطحی، غیر علمی اور غیر معیاری ہے کہ اسے لائق اعتنا وقابل التفات گردانے سے بھی قلب ودماغ گریز اور اباء کرتا رہا، لیکن محض اس وجہ سے اس سے تعرض پر مجبور ہونا پڑا ہے کہ کہیں اس میں لگائے گئے الزامات کو صحیح اور لاجواب نہ سمجھ لیا جائے۔

مضمون نگار نے اپنے مضمون میں جس علم وفہم کا مظاہرہ کیا ہے، اور علما ومحدثین پر جس بیہودہ اور رکیک انداز میں حملے کیے ہیں اس کا تجزیہ آگے آئے گا، پہلے مذکورہ بالا مجلّہ کے تمہید نگار نے اپنی تمہید میں مقالہ نویس کا جو تعارف پیش کیا ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں:

> ''محترم شیخ ابوالاشبال احمد شاغف حفظہ اللہ تعالیٰ عرصہ سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں، علم حدیث اور دیگر علوم شرعیہ پر موصوف کی گہری نظر ہے، علم حدیث کی خدمت انھوں نے بیحد اچھوتے انداز سے کی ہے، برصغیر میں

دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کو جن مسائل کا سامنا ہے، وہ موصوف کی نظر میں ہیں''۔

یہ تو تمہید نگار صاحب ہی جانتے اور بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سا اچھوتا انداز ہے جس کو اختیار کر کے انھوں نے علم حدیث کی خدمت کی ہے، اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ علماء احناف کو ہدف طعن و تشنیع بنا کر اوران پر دشنام واتہام کی بارش برسا کر کی ہے، تو یہ کوئی نیا اور اچھوتا انداز نہیں ہے، یہ تو روز اول ہی سے ان کی جماعت کا شیوہ اور محبوب مشغلہ رہا ہے، بلکہ اسی لعن طعن پر تو ان کے مذہب کی بنیاد قائم ہے، اور شاید دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کو درپیش مسائل سے ان کی مراد وہ علماء حق ہیں، جن کا وجود دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کے پس پردہ کی جانے والی شر انگیزی اور فتنہ خیزی کے سامنے سد سکندری بنا ہوا ہے۔

شاغف صاحب کے شور وشغب سے بھرے ہوئے مقالے کو درج کرنے سے پہلے ادارے کی طرف سے جو تمہید پیش کی گئی ہے، وہ ایک صفحہ پر مشتمل ہے، اس پوری تمہید کا تحلیل وتجزیہ کرنا اس وقت میرا مقصد نہیں ہے، اوپر تو ایک فقرہ ہم نے مقالہ نگار کے تعارف کے واسطے پیش کر دیا ہے، اس کے بعد تمہید میں مضمون کے تعلق سے جو لکھا گیا ہے، اس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے:

''اس کے مطالعہ کے بعد آپ کو اندازہ ہوگا کہ امام بخاری کی تنقیص کے لیے کس طرح تدبیر کی جاتی ہے، اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے خلاف کس طرح محاذ قائم کیا جاتا ہے''۔

اس سے علامہ اعظمی کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے، جو اوپر ہم نے قواعد في علوم الحدیث اور الرفع والتکمیل کے حوالے سے پیش کی ہے، اس کو ایک دفعہ

پھر پڑھ کر قارئین یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کے کس لفظ سے امام بخاری کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے، اور اس کے کس جملے اور پیرائے سے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے خلاف محاذ قائم کرنے کا ثبوت فراہم کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمہید نگار نے اپنی ایک صفحے کی تمہید میں صرف اور صرف ''تقلید اعمیٰ'' کا مظاہرہ کیا ہے، اور اس کے ایک ایک لفظ سے تقلید جامد کی بو صاف طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔

شاغف صاحب نے اپنے مضمون میں عصر حاضر کے تین عظیم حنفی عالم ومحدث: علامہ شیخ زاہد کوثری محدث مصر، علامہ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ محدث شام، اور محدث جلیل حضرت علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی کے خلاف جی بھر کر بدکلامی اور بدگوئی کی ہے، اور ان کے لیے ''بدعت کے علمبردار''، ''بدعتی فرقوں کے علمبردار''، ''اہل سنت ومحدثین کے مشہور دشمن''، ''منکرین سنت رفع یدین'' جیسے شریفانہ القاب وخطابات استعمال کیے ہیں، تاہم ان کی جماعت کے لٹریچر، اس کی ادبیات اور روایات کو دیکھتے ہوئے یہ الفاظ بھی ہم کو ہلکے اور غنیمت معلوم ہوتے ہیں۔

لیکن وہ تحریر جس سے بزعم مضمون نگار اور ان کے مقلد تمہید نگار امام بخاری کی تنقیص ہوتی ہے، حضرت محدث الاعظمیؒ کی ہے، اس لیے ان ہی کی ذات خاص نشانے پر ہے۔

شاغف صاحب کے اپنے مضمون سے اجمالی طور پر جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن راویوں کے بارے میں امام بخاریؒ نے (فیہ نظر) کہا ہے، ان کے سلسلے میں دوسرے ائمہ کی توثیق دکھا کر علامہ اعظمیؒ نے امام بخاری کی توہین کی ہے۔

امام بخاری کی امامت اور عظمت وجلالت شان، ان کی بزرگی اور تقویٰ

ہمارے نزدیک مسلم ہے، لیکن کیا علم جرح وتعدیل اور علوم حدیث کے دیگر شعبوں مین امام بخاری ہی کا قول معتبر ہے؟ اور ان کے علاوہ سیکڑوں علماء فن، جن میں سے بعض ان سے متقدم اور ان کے اساتذہ وشیوخ ہیں، ان کے اقوال یکسر نا قابل توجہ اور نا قابل التفات ہیں؟ اور امام بخاریؒ کے سوا دیگر تمام ائمۂ فن کا کلام اس لائق ہے کہ خاک کے تودے میں دفن کر دیا جائے؟

شاغف صاحب اور ان کے مقلدین کی خدمت میں ایک مؤدبانہ سوال یہ ہے کہ دیگر تمام ائمہ کے اقوال کو پس پشت ڈال کر صرف امام بخاریؒ کے قول کو پکڑ لینا تقلید ہے یا نہیں؟ کیا امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک کی تقلید جو دلیل کی روشنی میں کی جائے وہ حرام اور شرک ہے؟ اور امام بخاری جو امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے ۴۶ برس بعد اور امام مالکؒ کے انتقال کے ۱۷ سال بعد پیدا ہوئے، بغیر کسی دلیل کے ان کی تقلید واجب اور فرض عین بلکہ عین دین وایمان ہے؟

کیا وہ کوئی ایسی حدیث پیش کر سکتے ہیں، جس میں امام بخاری کو واجب الاطاعت کہا گیا ہو، اور ان کے بالمقابل دوسرے ائمہ کے اقوال کو چھوڑ دینے کی تعلیم دی گئی ہو، حتی کہ خود ان کے استاذ یحییٰ بن معین کا قول بھی معتبر نہ ہو؟

شاغف صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:

"امام بخاری رحمہ اللہ مجروح راویوں کے متعلق جو الفاظ استعمال کرتے ہیں، ان میں حسب ذیل الفاظ بہت ہی معروف ومشہور ہیں، "تــر کوہ، سـکتـوا عنه، فیه نظر" اور اس فن کے ماہرین جانتے ہیں کہ امام عالی مقام جن راویوں کے متعلق یہ الفاظ فرمادیں وہ سارے متروک یا متہم ہیں"۔

اوپر ہم نے علامہ اعظمیؒ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ: "امام بخاری نے

اپنے الفاظ سکتوا عنہ اور فیہ نظر کا مطلب خود کچھ نہیں بتایا ہے کہ کیا ہے؟ لوگ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے، اور یہ لوگ جو کہتے ہیں ممکن ہے صحیح ہو، لیکن یقین کے ساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا''۔

لہذا مضمون نگار کو چاہئے کہ یہ دعوی کرنے سے پہلے کہ ''امام عالی مقام جن راویوں کے متعلق یہ الفاظ فرمادیں وہ سارے متروک اور متہم ہیں'' خود امام بخاریؒ کے قول سے کوئی ثبوت اور تصریح پیش کریں، جس میں انھوں نے فرمایا ہو کہ سکتوا عنہ اور فیہ نظر کہنے سے وہ راوی متروک اور متہم ہو جائے گا، محض علامہ عراقی اور حافظ ذہبی کے قول کو دلیل کے طور پر پیش کرنا ان کے دعوی کے ثبوت کے لیے کافی نہ ہوگا، اور یہ عراقی وذہبی کی۔ امام بخاری کی بھی نہیں۔ تقلید ہوگی، ہاں تـرکـوہ میں چونکہ جزم کے ساتھ اس کو متروک فرمارہے ہیں، اس لیے اس لفظ کو جس راوی کے متعلق فرمائیں، وہ ان کے نزدیک متروک ہوگا۔

آگے بڑھنے اور مضمون نگار کے اعتراضات پر تفصیلی کلام کرنے سے پہلے میں قارئین کو ایک بار پھر حضرت محدث اعظمیؒ کی اس عبارت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جسے شیخ ابوغدہؒ نے اپنی تعلیقات میں نقل کیا ہے، علامہ اعظمیؒ نے یہ کہہ کر کہ عراقی (نیز ذہبی) کا قول علی الاطلاق درست نہیں ہے، تین باتیں تحریر فرمائی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱- بخاری بسا اوقات (فیہ نظر) کہتے ہیں، لیکن دوسرے ماہرین کو ان سے اتفاق نہیں ہوتا ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ممکن ہے امام بخاری کی نگاہ میں وہ راوی متہم اور قابل ترک ہو، لیکن دوسرے ماہرین وناقدین کی نظر میں وہ راوی اتنا گرا پڑا نہ ہو، بلکہ اس کا رتبہ اس سے بلند ہو، اور وہ اس درجے کا ہو کہ اس کی روایت کی ہوئی حدیث سے

استناد و اعتبار کیا جا سکتا ہو۔

۲- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ امام بخاری (فیہ نظر) بول کر کوئی خاص سند مراد لیتے ہیں۔

یعنی امام بخاری کے فیہ نظر کہنے کا مقصد اس راوی پر جرح کرنا اور اس کو متروک و متہم قرار دینا نہیں ہوتا ہے، بلکہ کسی خاص سند پر نقد کرنا مقصود ہوتا ہے، جس کے سلسلۂ سند میں وہ راوی پایا جاتا ہے۔

۳- اور بہت سی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس لفظ کو بول کر راوی کو نہیں بلکہ اس کی حدیث کو مراد لیتے ہیں۔

یعنی اس راوی کی روایت کردہ حدیث میں کوئی ایسی علت یا خرابی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ حدیث قابل ترک اور لائق نظر انداز ہوتی ہے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ حضرت محدث اعظمیؒ نے کس طرح ان تین گوشوں کی طرف اہل علم وفن کی توجہ مبذول کر کے ان کو غور وفکر کی دعوت دی ہے۔

اس طویل اور ضروری گفتگو کے بعد حضرت محدث اعظمیؒ نے مذکورہ بالا راویوں کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کی جو تفصیلات پیش کی ہیں، ان پر ''مکہ مکرمہ میں مقیم، علم حدیث اور دیگر علوم شرعیہ پر نظر رکھنے والے اچھوتے انداز سے علم حدیث کی خدمت کرنے والے محترم شیخ ابو الاشبال احمد شاغف حفظہ اللہ'' کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

شاغف صاحب کے مضمون کا تفصیلی جواب

شاغف صاحب کے مضمون پر تفصیلی نظر ڈالنے سے پہلے ایک بار پھر یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی تحریر اس قدر سطحی، غیر علمی اور مضحکہ خیز ہے کہ وہ ہرگز قابل التفات نہیں تھی، مگر چونکہ اس سے جہالت اور غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لیے اس کو درخورِ اعتنا سمجھتے ہوئے بادلِ نخواستہ اس کے جواب پر قلب ودماغ کو آمادہ کرنا پڑ رہا ہے۔

شاغف صاحب نے علامہ اعظمیؒ کی تحقیق کو نشانۂ تنقید بنانے سے پہلے ایک ڈیڑھ صفحہ جو تمہید کے طور پر سیاہ کیا ہے، اس میں ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

> ''البتہ بدعت کے علم بردار امام عالی مقام (امام بخاری) کے کلام پر اعتماد نہیں کرتے، کیونکہ جن راویوں کی روایتوں پر ان بدعتی فرقوں کے مسائل بدعیہ کی بنیاد ہے ان راویوں کو امام بخاری نے مجروح قرار دیا ہے''۔

ان کی اس تحریر میں بدعت کے علم بردار سے مراد مقلدین بالخصوص مذہب احناف کے مقتدر اور سر برآوردہ علماء ہیں، اور بدعتی فرقوں سے ان کی اصلی مراد مذہب احناف ہے۔ وہ اپنی اس تحریر میں دعوی کرتے ہیں کہ ''جن راویوں کی روایت پر ان بدعتی فرقوں کے مسائل بدعیہ کی بنیاد ہے ان راویوں کو امام بخاری نے مجروح قرار دیا ہے''، مگر وہ اپنے آٹھ صفحے کے مضمون میں اپنے دعوے کی ایک بھی دلیل نہیں پیش کر سکے ہیں، اس کے برخلاف تین جگہ اپنی کم فہمی سے یا رواروی میں خود لکھ گئے ہیں کہ ان

سے حنفیہ کے خلاف حدیث روایت کی گئی ہے، چنانچہ ''تمام بن نجیح'' کے تذکرے میں تسلیم کیا ہے کہ ان سے امام بخاریؒ نے رفع یدین کی روایت لی ہے، اور ''حبیب ابن سالم'' کے تبصرے میں اعتراف کیا ہے کہ: ''جو روایت مسلم میں ہے وہ احناف کے مذہب کے خلاف ہے''، اور ''سلیمان بن داؤد خولانی'' پر کلام کرتے وقت لکھا ہے کہ ''ان کی ایک روایت احناف کے مذہب کے رد میں موجود ہے''۔

ان راویوں کی نسبت امام بخاری نے ''فیہ نظر'' فرمایا ہے، اگر اس کا مطلب متروک اور متہم ہے، تو ایسے راوی کی روایت امام بخاری نے خود کیوں قبول کر لی، کیا امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ متروک و متہم راوی کی حدیث کو اپنی کتابوں میں اس وجہ سے درج کر دیتے ہیں کہ وہ ان کے مذہب کے موافق یا مذہب احناف کے خلاف ہے۔

شاغف صاحب اور ان کے ہم نوا بتلائیں کہ جن ''راویوں کو امام بخاری نے مجروح قرار دیا ہے'' ان راویوں کی روایتوں پر کن فرقوں کے ''مسائل بدعیہ'' کی بنیاد ہے، اور کس فرقے کی عمارت تعمیر کی گئی ہے؟

اس سے کم از کم اتنا ثابت ہوا کہ علامہ اعظمیؒ نے یہ تحریر اپنے مذہب کی پاسداری میں نہیں سپرد قلم فرمائی ہے، بلکہ یہ ایک علمی تحقیق ہے، جو علم و دین کی خدمت کے جذبے سے رقم کی گئی ہے، بلکہ اگر حق و انصاف کی نظر سے دیکھیں تو علامہ اعظمیؒ نے اپنی اس عظیم الشان اور نادر تحقیق سے امام بخاری اور امام مسلم جیسے محدثین کے دامن فضل و کمال کو داغدار ہونے سے بچانے کی کوشش کی ہے۔

اب ذرا ان تنقیدوں کو ملاحظہ فرمائیں جو مکہ مکرمہ میں مقیم مضمون نگار شاغف صاحب نے علامہ اعظمیؒ کی تحقیق پر کی ہے:

تمام بن نجیح | پہلے ان کے متعلق حضرت محدث کبیر علامہ اعظمیؒ کی اس تحریر کو پڑھیں جو ہم نے شروع میں نقل کی ہے، اس کے بعد مضمون نگار کی اس تنقید کو ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''کسی راوی کو متروک و متہم قرار دینے سے غرض یہ ہے کہ اس کی روایت پر عمل کرنا اور اسی کی روایت پر اپنے مطلب کی بنیاد استوار کرنا جائز نہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی روایتوں کو بیان کر کے لوگوں کو اس سے آگاہ کرنا کہ یہ متروک و متہم راوی ہے یہ بھی جائز نہیں، نیز کبھی کبھار اگر اس کی کوئی روایت ثقہ راویوں کی روایت کے موافق ہو تو اس کی روایت کو اس بناء پر کہہ دینا کہ اس کی یہ روایت صحیح یا قابل قبول ہے یہ بھی جائز نہیں''۔

خط کشیدہ الفاظ کو بغور ملاحظہ فرمائیں، اہل علم کے لیے یہ عجیب وغریب اور انوکھا انکشاف ہوگا کہ کسی متروک اور متہم راوی کی روایت کسی ثقہ راوی کی موافقت کی وجہ سے ''صحیح'' اور ''قابل قبول'' ہو جاتی ہے، اہل علم کی نگاہ سے آج تک کسی اصول حدیث کی مستند اور معتبر کتاب میں یہ نہیں گزرا ہوگا کہ کسی متروک و متہم راوی کی روایت بھی ''صحیح'' ہو جاتی ہے، مضمون نگار اور ان کے اعوان وانصار کسی محدث یا مصنف کی کسی عبارت یا کسی ایک جملے سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ کسی راوی کی روایت کی موافقت کی وجہ سے انھوں نے متروک و متہم راوی کی روایت کو صحت کا درجہ دیا ہو، بلکہ علماء کی تحریریں اس کے بالکل خلاف اور برعکس ہیں۔

رواۃ حدیث کی جو توثیق وتعدیل کی گئی ہے، یا ان پر جو جرح وقدح کی گئی ہے، محدثین نے ان میں سے ہر ایک کے کئی مراتب اور درجات قائم کیے ہیں، اور ہر درجے کے راوی کی روایت کردہ حدیث پر الگ حکم لگایا ہے، مراتب جرح بعض نقاد

کے نزدیک پانچ اور بعض کے نزدیک چھ ہیں، ان میں تین درجے کی جرحیں بہت سخت خیال کی گئی ہیں، ان میں دوسرا درجہ وہ ہے جس میں متہم اور متروک وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، ان تینوں درجوں کے راویوں کے بارے میں ہندوستان کے مایۂ ناز عالمِ حدیث اور اصول وقواعد کے عظیم المرتبت امام مولانا عبدالحی فرنگی محلی الرفع والتکمیل میں لکھتے ہیں: **وکل من قیل فیہ ذلک من هذه المراتب الثلاث، لا یحتج به ولا یستشهد به ولا یعتبر به.** (۱)

یعنی ان تین درجوں کے راویوں کی حدیثیں نہ اس قابل ہوتی ہیں کہ ان سے احتجاج کیا جائے، اور نہ ان کو استشہاد واعتبار کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ مولانا فرنگی محلی ایک حنفی عالم ہیں، اس لیے ان کا قول دوسروں پر حجت نہیں ہے، تو دوسرے مسلک کے علماء کے اقوال ملاحظہ فرمالیں، امام نووی شافعی تقریب میں، اور علامہ سیوطی شافعی تدریب میں لکھتے ہیں: **وإذا قالوا متروک الحدیث ...... فهو ساقط لا یکتب حدیثه، ولا یعتبر به، ولا یستشهد.** (۲)

یعنی اگر محدثین اور نقادِ حدیث کسی راوی کے لیے "**متروک الحدیث**" کا لفظ استعمال کر دیں، تو وہ راوی اتنا گرا ہوا ہوتا ہے کہ نہ اس کی حدیث لکھی جا سکتی ہے، اور نہ اس کی حدیث کو اعتبار واستشہاد کے لیے لایا جا سکتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ متروک الحدیث اور متروک وغیرہ ایک ہی حکم میں ہوتے ہیں۔

اور فن اصول حدیث کے امام ابوعمرو ابن الصلاح شافعی اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں: **إذا قالوا متروک الحدیث فهو ساقط الحدیث لا یکتب**

(۱) الرفع والتکمیل ص ۱۵۳، طبع ثالث۔ (۲) تدریب الراوی ۱: ۳۴۶، مطبوعہ بیروت ۱۳۹۹ھ = ۱۹۷۹ء طبع ثانی۔

حديثه. (۱)

اورنواب صدیق حسن خاں صاحب الحطة في ذکر صحاح ستة میں جرح کے کئی الفاظ -- جن میں ایک متروک الحدیث بھی ہے- نقل کر کے لکھتے ہیں: وهؤلاء ساقطون لا يكتب حديثهم. (۲) یہ لوگ گرے پڑے ہیں ان کی حدیث قید کتابت میں نہیں لائی جائے گی۔

اوران سب اقتباسات کے بعد مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری کی بھی ایک عبارت پڑھ لیجئے، انھوں نے تحفۃ الاحوذی (۷۵/۲) میں حضرت علیؓ کے ایک اثر کے متعلق لکھا ہے: لا يحتج به ولا يستشهد به ولا يصلح للاعتبار، فإن في سنده حماد بن شعيب وقال البخاري: فيه نظر. یعنی نہ اس قابل ہے کہ اس سے دلیل پکڑی جائے، نہ اس لائق ہے کہ اس سے تائید حاصل کی جائے، نہ وہ اعتبار (باصطلاح محدثین) کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں حماد ابن شعیب ہے، اور اس کے بارے میں بخاری نے فیہ نظر کہا ہے۔ (رکعات تراویح ۷۹-۸۰)

اب فیصلہ کار پردازانِ ''افکار عالیہ'' کو کرنا ہے کہ وہ کس کی بات صحیح مانیں گے، محدث مبارک پوریؒ کی جو کہتے ہیں کہ ایسی روایت نہ قابل احتجاج ہوتی ہے، نہ قابل استشہاد اور نہ لائق اعتبار؟ یا اچھوتے انداز میں علم حدیث کی خدمت کرنے والے ابوالاشبال شاغف صاحب کی، جو فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں کی موافقت کی وجہ سے صحیح اور قابل قبول ہو جاتی ہے؟

مضمون نگار آگے لکھتے ہیں:

(۱) مقدمہ ابن الصلاح ص ۹۷ مطبوعہ دیوبند۔ (۲) الحطة ص ۹۱۔

"مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی...... نے حسب منشا وضرورت حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے خلاصہ کرلیا، درانحالیکہ کما حقہ سمجھ بھی نہ سکے، چنانچہ لکھتے ہیں:
وروی لہ البخاري نفسه أثراً موقوفاً معلقاً في رفع عمر بن عبدالعزیزیدیه حین یرکع". اس عبارت سے ہر خاص وعام یہی سمجھے گا کہ امام بخاری نے اس راوی کی روایت اپنی جامع صحیح کے اندر روایت کی ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ امام بخاری نے اس راوی کے اس اثر کو اپنی دوسری کتاب "جزء رفع الیدین" میں بیان کیا ہے"۔

اس عبارت کو انھوں نے اس انداز سے لکھا ہے کہ پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ وروی له البخاری (إلی) حین یرکع حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے، حالانکہ یہ عبارت حافظ ابن حجر کی تہذیب میں مذکور ہے، باقی ان کا یہ لکھنا کہ "سمجھ بھی نہ سکے" تو انھوں نے معلوم نہیں کہاں سے یہ نتیجہ نکال لیا، حضرت محدث اعظمیؒ نے اپنی اس تحریر میں جو قواعد في علوم الحدیث اور الرفع والتکمیل میں شائع ہوئی ہے، اگرچہ صرف یہ لکھا ہے: وروی لہ البخاری نفسه أثراً موقوفاً معلّقاً، في رفع عمر بن عبدالعزیز یدیه حین یرکع" اور اس میں جزء رفع الیدین کی صراحت نہیں ہے، لیکن اس عدم صراحت سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو امام بخاری کی جامع صحیح میں سمجھ رہے ہیں، اس مطلب برآری سے تو خود مضمون نگار کی کم علمی اور ناواقفیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، علامہ اعظمیؒ نے تو اپنی تحقیق کو عربی زبان میں لکھ کر شیخ ابو غدہ کو بھیجنے سے برسوں پہلے "رکعات تراویح" میں صاف لکھا تھا: "کہ خود امام بخاری نے رسالہ رفع الیدین میں تمام کی روایت سے تعلیقاً ایک اثر نقل کیا ہے"۔
مضمون نگار صاحب بتائیں کہ اس کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کا نہ

سمجھنا معلوم ہوتا ہے، یا آپ کا قصور علم اور قلت مطالعہ ثابت ہوتا ہے؟

''اچھوتے انداز سے علم حدیث کی خدمت کرنے والے محترم'' کی خدمت میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا امام بخاریؒ نے ایک ایسے راوی کی روایت جوان کے نزدیک متروک اور متہم ہے، محض اس وجہ سے قبول کر لی ہے کہ ان کے مذہب کی حمایت میں ہے؟ اور صرف یہی نہیں کہ اس کا ایک راوی متروک اور متہم قرار پاتا ہے، بلکہ وہ موقوف اور معلق بھی ہے، کیا شاغف صاحب کے مذہب میں معلق روایت (جس کی سند میں ایک طرح کا انقطاع ہوتا ہے) قابل قبول اور لائق احتجاج ہوتی ہے؟ کیا ایسی حدیث کا بھی ان کے نزدیک اعتبار ہے جو مرفوع متصل نہ ہو؟

اور سنئے! امام بخاریؒ نے اس سند سے جو اثر روایت کیا ہے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک عمل ہے۔ تو کیا شاغف صاحب اور ان کے ہم مذہب اور ہم نوا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ غیر نبی کا قول وعمل بھی حجت اور دلیل ہوتا ہے؟ اور وہ غیر نبی بھی کوئی صحابی نہیں بلکہ ان کے بعد کا کوئی شخص ہو، حیرت ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کا قول وعمل تو قابل قبول اور لائق عمل نہ ہو، چاہے وہ اعلی سے اعلی سند ہی سے کیوں نہ روایت کیا گیا ہو، صحابہؓ کا اجماع حجت نہ ہو، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عمل دلیل اور شاہد بن جائے، جس کی سند میں بھی انقطاع ہو، اور اس کا راوی بھی متہم اور متروک ہو۔

فیصلہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے کہ امام بخاریؒ کا ہمدرد اور دوست کون ہے؟ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ جس راوی کی نسبت ''فیہ نظر'' کہہ دیں، وہ متروک اور متہم ہو جاتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اپنی بعض ایسی کتابوں میں جس کو انھوں نے اپنے مذہب کی تائید کے لیے لکھا ہے،

متروک اور متہم راوی کی روایت لینے سے گریز نہیں کیا ہے؟ یا مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، جن کی تحقیق یہ ہے کہ اس کو قاعدہ کلیہ بنانا ہی درست نہیں ہے کہ امام بخاری جس راوی کی نسبت "فیہ نظر" کہہ دیں، وہ یک قلم متروک اور متہم ہوجاتا ہے، بلکہ کبھی تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ راوی متروک و متہم ہے، اور کبھی ان کی مراد کچھ اور ہوتی ہے۔

اور یہ بھی فرمائیں کہ کیا مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے یہ مجتہدانہ تحقیق کر کے، اور ان کے شاگرد شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اس تحقیق کو اپنی تعلیقات میں شامل کر کے "اپنی جان چھڑانے کی غرض سے امام بخاری پر اعتراض کیا ہے" (۱) یا امام بخاریؒ کی جان کو چھڑانے کی کوشش کی ہے؟

علامہ اعظمیؒ نے لکھا تھا کہ لم يتركه أبو داؤد ولا الترمذي (ابوداؤد اور ترمذی نے بھی ان کو نہیں چھوڑا) اور رکعات تراویح میں ہے کہ: "نیز امام ترمذی وابوداؤد نے تمام کی روایت کو اپنے اپنے سنن میں نقل کیا ہے"۔

اس کلام پر شاغف صاحب نے یہ تنقید کی ہے:

"امام ابوداؤد اور ترمذی نے تمام بن نجیح سے اپنی سنن میں اگر روایت لی ہے، تو ان دونوں نے یہ کب شرط لگائی ہے کہ ثقہ راویوں ہی سے روایت لیں گے" الخ۔

مضمون نگار صاحب دعوی کچھ کر رہے ہیں، اور دلیل کچھ دے رہے ہیں، جب ان کا دعوی یہ ہے کہ امام بخاری کی جرح "فيه نظر" سے مراد راوی کا متروک

(۱) مضمون نگار نے اپنے مضمون کی تمہید میں لکھا ہے کہ: "اہل بدعت ان جرحوں سے جان چھڑانے کی غرض سے امام بخاری پر اعتراض کرتے رہتے ہیں..... تا کہ ان کی جرحوں سے جان چھوٹ جائے اور بدعت کے ہوائی قلعے رہ جائیں"۔

اور متہم ہوتا ہے، اور علامہ اعظمیؒ نے اس کے قاعدۂ کلیہ ہونے سے انکار کیا ہے، تو مدعی کو چاہیے کہ اپنے دعوی کے اثبات میں یہ دلیل پیش کرتے کہ ابو داؤد اور ترمذی متروک اور متہم راوی کی روایت بھی اپنی سنن میں شامل کرلیا کرتے ہیں، اس لیے کہ صرف ثقہ راویوں کی روایت نہ لینے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ متروک اور متہم راوی کی روایت بھی اپنی کتاب میں درج کرلیا کرتے ہیں، کیا ثقہ اور متروک کے درمیان دوسرے مراتب اور درجات نہیں ہیں جس سے یہ لازم آئے کہ صرف ثقہ راویوں کی روایت پر اکتفا نہیں کیا ہے، اس لیے جو غیر ثقہ ہیں وہ لازمی ہے کہ متروک اور متہم ہوں، یہ ہے مضمون نگار کی قابلیت اور عقلمندی!

اگر کسی مصنف نے اپنی کتاب میں کچھ شرطوں کا اہتمام کیا ہو، تو ضروری نہیں ہے کہ ان شرطوں کو بیان بھی کیا ہو، امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں جن شرائط کا اہتمام والتزام کیا ہے، ان کو کہاں بیان کیا ہے؟ معلوم ہونا چاہیے کہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مصنف اپنی شرطوں کو اسی کتاب میں یا کسی دوسرے موقع سے ان کا ذکر کردیتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنی شرط کہیں ذکر نہیں کرتا، بلکہ بعد کے اہل علم ان کی تصانیف میں غور وخوض کرکے ان کی شرطوں کا سراغ لگا لیتے ہیں، اس لیے امام ابوداؤد نے خود کوئی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، لیکن ان کی شرطیں معلوم ضرور ہیں، دیکھئے **قواعد في علوم الحديث** (۱) میں زیلعی کے حوالے سے علامہ ابن القطان کا یہ قول منقول ہے: **وأبو داؤد إنما يروي عن ثقة عنده.** یعنی امام ابوداؤد ایسے ہی راوی کی روایت لیتے ہیں جو ان کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔

اور اسی میں خطیب بغدادی کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ: **وما احتج**

(۱) ص ۲۲۴

البخاري ومسلم وأبو داؤد به من جماعة عُلِم الطعنُ فيهم من غيرهم: محمول على أنه لم يثبت الطعن الموثر مفسَّر السبب. یعنی جس راوی سے بخاری، مسلم اور ابو داؤد نے احتجاج کیا ہو اور دوسروں نے اس پر طعن کیا ہو، تو وہ اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ جرح کسی سبب مفسر کے ثابت نہ ہونے کی وجہ موثر نہیں ہوگی۔

ان حوالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابو داؤد جس راوی کی روایت لیتے ہیں وہ ان کے نزدیک ثقہ یا قابل اعتبار ہوتا ہے، اور اگر ضعیف بھی ہوتا ہے، تو کم از کم ان کے نزدیک متروک اور متہم نہیں ہوتا ہے، ثقہ کی شرط نہ لگانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہر گرے پڑے راوی کی روایت لے لیتے ہوں۔

اور اگر اسی پر اصرار ہو کہ خود ابو داؤد نے یہ شرط کب لگائی ہے، تو آیئے ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ کب اور کہاں لگائی ہے، حافظ ابو بکر حازمی متوفی ۵۸۴ھ نے اپنے رسالہ شروط الأئمة الخمسة (۱) میں خود ابو داؤد کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں، "وليس في كتاب "السنن" الذي صنفته عن رجل متروك الحديث شيء. یعنی میری تصنیف کردہ کتاب "السنن" میں کسی متروک الحدیث شخص سے کچھ نہیں ہے۔

اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں: ليس في كتاب السنن الذي صنفته عن رجل متروك الحديث، شيء، وإذا كان فيه حديث منكر بيَّنتُ أنه منكر. (۲) یعنی میری تصنیف کردہ کتاب "السنن" میں ایسے شخص سے جو متروک الحدیث ہو، کوئی حدیث نہیں ہے، اور اگر اس میں کوئی

(۱) ص ۳۳ (۲) شرح علل الترمذي ص ۲۹۲، مطبوعہ بغداد

منکر حدیث ہوگی تو میں بیان کر دوں گا کہ وہ منکر ہے۔

ابوداؤد کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن رجبؒ لکھتے ہیں:

ومراده: أنه لم يخرج لمتروك الحديث، عنده، على ما ظهر له، او لمتروك متفق على تركه. (۱) یعنی ابوداؤد کے قول کا منشا یہ ہے کہ ایسے راوی کی حدیث نہیں ذکر کریں گے جو ان کے نزدیک متروک ہو، یا اس کے متروک ہونے پر اتفاق کیا گیا ہو۔

اور شارح سنن ابو داؤد امام خطابیؒ معالم السنن (۲) میں لکھتے ہیں:

"وحكي لنا عن أبي داؤد أنه قال: ما ذكرت في كتابي حديثاً اجتمع الناس على تركه. یعنی میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی ہے، جس کے ترک پر لوگوں نے اتفاق کیا ہو۔

اور سنیے! ابن داسہ جو امام ابوداؤد کے نہایت بلند رتبہ اور معتمد علیہ شاگرد تھے، وہ ابوداؤد کا یہ قول خود ابوداؤد سے سن کر نقل کرتے ہیں کہ: **ذكرت في كتابي الصحيحَ وما يشبهه وما يقاربه، قال: وما كان فيه وهن شديد بيَّنتُه،** (۳) ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں صحیح حدیث، صحیح جیسی حدیث اور صحیح کے قریب حدیث کو ذکر کیا ہے، اور اگر کسی میں زیادہ کمزوری ہے تو میں نے اس کو واضح کر دیا ہے۔

ان تمام عبارتوں کو پیش کرنے کا میرا مقصد یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ متروک راوی کی روایت نہیں لیں گے، اور اگر بدرجہ مجبوری کسی ضعیف راوی کی روایت کو لینا بھی پڑے تو وہ متروک سے اوپر کے درجے کا ہوگا تو اس کو لے

(۱) شرح علل الترمذي ص ۲۹۳، مطبوعہ بغداد (۲) ص ۶ (۳) تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵۹۲

سکتے ہیں، چنانچہ امام ذہبیؒ نے۔جن کو مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے اہل استقراء ' نام قرار دیا ہے۔ مجروح راویوں کے جو مراتب ودرجات قائم کیے ہیں، ان میں ضعیف جداً (جو وہن شدید کی ایک دوسری تعبیر ہے) کا درجہ متروک اور متہم سے اوپر قرار دیا ہے، اسی کے ساتھ ابوداؤد یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا راوی اس کتاب میں آئے گا، جس کے اندر وہن شدید ہو تو اس کو واضح کردوں گا۔اب یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ ابوداؤد نے اپنی بیان کردہ شرطوں کا پوری طرح اہتمام کیا ہے یا نہیں، اتنا تو بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ انھوں نے متروک راوی (جو ان کے نزدیک متروک ہو) کی روایت نہ لینے کی شرط لگائی ہے۔

رہا مسئلہ امام ترمذی کا، تو عرض یہ ہے کہ ابوداؤد اور ترمذی کی شرطوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، اور دونوں ہی کی شرطیں قریب قریب ہیں، دیکھیے امام حازمی شروط الأئمة الخمسة (۱) میں لکھتے ہیں: وأما أبو داؤد ومن بعده فهم متقاربون في شروطهم، فلنقتصر على حكاية قول واحد منهم، والباقون مثله. یعنی ابوداؤد اور ان کے بعد والے (ترمذی اور نسائی) اپنی شرطوں میں قریب قریب ہیں، لہذا ایک ہی کی شرط کے بیان پر ہم اکتفا کرتے ہیں، باقی کا حال بھی اسی طرح ہے۔

اور نواب صدیق حسن صاحب کے طرز عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ وہ الحطة (۲) میں الطبقة الثانية کے تحت لکھتے ہیں: وعلى تلك الاحاديث بناء عامة العلوم كسنن أبي داؤد وجامع الترمذي ومجتبى النسائي.

(۱) ص ۳۲ (۲) ص ۱۲۸

بلکہ نواب صاحب نے تو ترمذی کو ابوداؤد سے بھی پہلے ذکر کیا ہے، چنانچہ آگے چل کر انھوں نے صفحہ ۲۴۴ پر سنن ابوداؤد کا تذکرہ الفصل الخامس کے عنوان سے کیا ہے، اور جامع ترمذی کو صفحہ ۲۳۹ پر الفصل الرابع کے تحت درج کیا ہے، اور اس میں لکھا ہے: وبالجملة فهو ثالث الكتب الستة. یعنی جامع ترمذی صحاح ستہ میں تیسرے نمبر پر ہے۔

علامہ اعظمیؒ نے فرمایا تھا: ''اور بزار نے صالح الحدیث کہا ہے''۔

اس پر شاغف صاحب یہ نقد کرتے ہیں:

''بزار نے جہاں صالح الحدیث کہا ہے، وہیں ليس بقوي بھی کہا ہے''۔

اس تنقید کی نسبت گزارش یہ ہے کہ ''علم حدیث اور دیگر علوم شرعیہ پر نظر رکھنے والے محترم شیخ ابوالاشبال احمد شاغف حفظہ اللہ'' کو ابھی یہی خبر نہیں ہے، کہ ''ليس بقوي'' محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک ایسی جرح نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ مجروح راوی متروک ہو جائے، دیکھئے حافظ ذہبیؒ الموقظة(۱) میں لکھتے ہیں: وبالاستقراء إذا قال أبو حاتم: (ليس بالقوي)، يريد بها: أن هذا الشيخ لم يبلغ درجة القوي الثبت. والبخاري قد يطلق على الشيخ: (ليس بالقوي)، ويريد أنه ضعيف، یعنی استقراء سے یہ ثابت ہے کہ ابوحاتم جب ليس بالقوي کہتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ بزرگ مضبوط ٹھوس راوی کے مقام تک نہیں پہنچ سکے، اور کبھی بخاری بھی راوی کے لیے ليس بالقوي کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور مراد یہ لیتے ہیں، کہ وہ کمزور ہے۔

حافظ ذہبی نے ضعیف کہا ہے، متروک نہیں کہا ہے، اور یہ بات ذہن نشین

(۱) ص ۸۳

رہنی چاہیے کہ ضعیف اور متروک کے درمیان بون بعید ہے۔

اور سنئے! موقظہ ہی میں اسی سے چند سطر پہلے امام ذہبی لکھتے ہیں: **وقد قيل في جماعات: ليس بالقوي، واحتُج به. وهذا النسائي قد قال في عدة: ليس بالقوي، ويخرج لهم في كتابه، قال: قولنا: (ليس بالقوي) ليس بجرح مفسد.** (۱) یعنی راویوں کی ایک بڑی جماعت کی نسبت **ليس بالقوي** کہا گیا ہے، درانحالیکہ اس سے احتجاج بھی کیا گیا ہے، یہ دیکھئے امام نسائی ہیں، انھوں نے متعدد راویوں کے متعلق **ليس بالقوي** کہا ہے اور پھر اپنی کتاب سنن نسائی میں ان کی حدیث بھی لی ہے، اور یوں فرمایا ہے کہ **ليس بالقوي** فاسد کرنے والی جرح نہیں ہے۔

لیجئے امام ذہبی نے تو یہ کہہ دیا کہ ان سے احتجاج بھی کیا گیا ہے، ان کی روایت صرف استشہاد اور متابعت کے طور پر نہیں لائی گئی ہے، اس سے ثابت ہو گیا کہ بزار نے **صالح الحديث** کے بعد **ليس بالقوی** جو کہا ہے، تو ان کا مقصد اس راوی کو اس قدر مجروح کرنا نہیں ہے کہ وہ اٹھنے کے قابل ہی نہ رہ سکے، بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ حدیث کے باب میں ٹھیک ہے، مگر بہت قوی اور بلند پایہ راوی نہیں ہے۔

اور اگر یہ تسلیم کرلیں کہ ان کے دونوں قول میں تعارض ہے، تو اس کی بابت عرض یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کے طریقۂ کار سے اس صورت میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترجیح اور تقدم تعدیل کو حاصل ہوگا، چنانچہ **قواعد في علوم الحديث** (۲) میں حافظ ابن حجر کی ایک عبارت نقل کر کے لکھا ہے: **وإذا اختلف قول الناقد في رجل، فضعّفه مرة، وقوّاه اخرى، فالذي يدل عليه صنيع الحافظ أن**

---

(۱) ص ۸۲ (۲) ص ۴۳۰

الترجيح للتعديل، ويُحمل الجرح على شيء بعينه. یعنی اگر ایک ہی راوی کے متعلق ناقد رجال کا قول مختلف ہو، بایں طور کہ کبھی تو اس کو ضعیف قرار دیا ہو، اور کبھی قوی ٹھہرایا ہو، تو حافظ ابن حجر کا طرز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تعدیل کو ترجیح حاصل ہوگی، اور جرح کو کسی مخصوص حالت پر محمول کیا جائے گا۔

شاغف صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے:

''اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ تمام بن نجیح ثقات سے موضوع روایتیں بیان کرتا ہے، گویا وہ عمداً ایسا کرتا ہے''۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ابن حبان کا شمار علماء جرح وتعدیل نے متعنتین میں کیا ہے، اور متعنت کی جرح کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ: فمثل هذا الجارح توثيقه معتبر، وجرحه لا يعتبر إلا إذا وافقه غيره ممن يُنصِف ويُعتبر. (۱) یعنی اس طرح کے جرح کرنے والے کی توثیق تو معتبر ہوتی ہے، لیکن اس کی جرح غیر معتبر ہوتی ہے الا یہ کہ اس کی موافقت اس کے علاوہ کوئی ایسا شخص کرے جو انصاف کرتا ہو، اور جس کا اعتبار کیا جاتا ہو۔

چنانچہ ابن حبان نے ایک ایسے راوی پر جرح کی جس کی یحیی بن معین نے توثیق کی تھی، تو اس پر حافظ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے: أما ابن حبان فاسرف واجترأ. (۲) یعنی ابن حبان نے زیادتی اور دلیری کی ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے القول المسدد میں لکھا ہے: ابن حبان ربما جرح الثقة! حتى كأنه لا يدري ما يخرج من رأسه. (۳) یعنی ابن حبان تو بسا

(۱) الرفع والتکمیل ص ۲۷۵ (۲) الرفع والتکمیل ص ۲۷۵، ابکار المنن ص ۲۲۷
(۳) المرجع السابق

اوقات ثقہ راوی پر جرح کرتے ہیں، یہاں تک کہ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ سمجھتے ہی نہیں کہ ان کے دماغ سے کیا نکل رہا ہے۔

اور علامہ سخاوی المتکلمون في الرجال (۱) میں تحریر فرماتے ہیں:

قسم منهم متعنّت في الجرح، متثبّت في التعديل، يغمز الراوي بالغلطتين والثلاث، فهذا إذا وثّق شخصاً فعضّ على قوله بنواجذك وتمسَّكُ بتوثيقه، وإذا ضَعَّفَ رجلاً، فانظر: هل وافقه غيره على تضعيفه، فإن وافقه ولم يوثّق ذلك الرجل أحد من الحذاق: فهو ضعيف، وإن وثّقه أحد، فهذا هو الذي قالوا: لا يقبل فيه الجرح إلا مفسراً. یعنی ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جرح کے باب میں متعنت اور متشدد ہیں، تعدیل کے باب میں متوازن ہیں، یہ وہ قسم ہے کہ دو تین لغزشوں پر راوی کو مطعون قرار دیدیتے ہیں، اس قسم کے لوگ اگر کسی راوی کی توثیق کریں تو ان کی توثیق کو تو مضبوطی کے ساتھ دانت سے پکڑلو، لیکن جب کسی راوی کی تضعیف کریں تو دیکھو کہ اس کے علاوہ کسی اور نے ان کی موافقت کی ہے یا نہیں، اگر دوسرے نے بھی موافقت کی ہو، اور کسی ماہر فن نے اس کی توثیق نہ کی ہو تب تو وہ ضعیف ہے، اور اگر کسی نے اس کی توثیق بھی کی ہو تو اس راوی کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ وہ جرح اسی وقت قابل قبول ہوگی، جب وہ مفسَّر ہوگی، یعنی اس کا سبب بھی بیان ہوگا۔

چنانچہ ابن حبان نے ٹھیک یہی جرح "روى الموضوعات عن الأثبات" (ثقات سے موضوع روایتیں بیان کرتا ہے) حارث بن عمیر کے بارے میں بھی کی ہے، حالانکہ حارث بن عمیر کی جمہور ائمہ نے توثیق کی ہے، اور امام بخاری

---

(۱) اربع رسائل ص ۱۳۲

نے صحیح بخاری میں ان سے تعلیقاً روایت لی ہے۔

لہذا فرمائیے کہ کیا امام بخاری نے صحیح بخاری میں -تعلیقاً ہی سہی- موضوعات روایت کرنے والے کی روایت لی ہے؟ اگر ان کے پاس اس کا کوئی جواب ہے تو وہی جواب ہماری طرف سے ان کے اس اعتراض کا بھی ہے جو مضمون نگار نے دوسطر کے بعد اپنے مضمون میں کیا ہے کہ: ''پتہ نہیں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور ان کے شاگرد رشید نے موضوع روایت بیان کرنے والے راوی کی توثیق کر کے اسلام اور مسلمین کی کون سی خدمت انجام دی ہے''۔

صرف کرم فرما کر اپنے اعتراض میں ہمارے اس سوال کا اضافہ کر لیں کہ امام بخاری کے استاذ اور شیخ یحیی بن معین نے اس راوی (تمام بن نجیح) کی توثیق کر کے، شاگرد امام ترمذی اور معاصر ابوداؤد نے ان کی روایت لے کر، اور خود ''امام المحدثین سید الفقہاء مجدد السنۃ النبویۃ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ'' نے حارث بن عمیر جیسے موضوع روایت بیان کرنے والے راوی کی روایت اپنی کتاب میں داخل کر کے اسلام اور مسلمانوں کی کون سی خدمت انجام دی ہے؟

اس کے بعد شاغف صاحب لکھتے ہیں:

''اسی لیے ذہبی نے کاشف میں اور ابن حجر نے تقریب میں اس کے حق میں ضعیف کہا ہے''۔

اور چند سطر کے بعد ''تنبیہ'' کے عنوان کے تحت یوں داد تحقیق دی ہے:

''محدثین کرام کبھی ضعیف و متروک راویوں کی روایتوں کو...... بضمن شواہد ومتابع اس لیے ذکر کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس حدیث کی ایک سند یہ بھی ہے''۔

واقعہ یہ ہے کہ ''اچھوتے انداز سے علم حدیث کی خدمت کرنے والے محترم'' کے مضمون کی ایک ایک سطر ان کے مبلغ علم وفہم کی تصویر پیش کرتی ہے، مجھے حیرت اور افسوس ہے کہ وہ محدثین کی اصطلاحوں کی موٹی موٹی باتوں اور الفاظ و عبارات جرح وتعدیل کے درمیان پائے جانے والے واضح اور نمایاں فرق کو بھی نہیں سمجھتے، اور اسی ناسمجھی کا نتیجہ ہے کہ کاشف اور تقریب میں تمام بن نجیح کے حق میں ضعیف کا لفظ دیکھ کر پھولے نہیں سمارہے ہیں، اس بے چارے کو یہی خبر نہیں کہ ذہبی اور ابن حجر کا ''ضعیف'' لکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ تمام ان کی نگاہ میں متروک نہیں ہے، ''اچھوتے انداز سے علم حدیث کی خدمت کرنے والے محترم'' کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ محدثین اور ائمۂ جرح وتعدیل کے نزدیک ''ضعیف'' الگ اصطلاح ہے اور ''متروک'' الگ اصطلاح ہے، اور کسی راوی کا ضعیف ہونا اس کے متروک ہونے کو مستلزم نہیں ہے، اس فرق سے علم حدیث کا ایک معمولی سا طالب علم بھی اچھی طرح واقف ہے، شاغف صاحب نے اگر تقریب کا مقدمہ بھی پڑھا ہوتا، تو ان کو معلوم ہوسکتا تھا کہ ''ضعیف'' اور ''متروک'' دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور اس میں فرق نہ کرنا قلت علم ونظر کی دلیل ہے، تقریب میں حافظ ابن حجر نے راویوں کے حالات کے اعتبار سے ان کے مراتب قائم کیے ہیں، اور ان کو بارہ درجوں میں تقسیم کیا ہے، اس میں دسویں درجہ میں ''متروک'' اور گیارہویں درجے میں ''متہم بالکذب'' ہے، جبکہ ''ضعیف'' کو آٹھویں درجے میں رکھا ہے، یعنی جس راوی کے بارے میں ''ضعیف'' کہا جائے، وہ اس سے غنیمت ہوتا ہے جس کے متعلق ''متروک'' اور ''متہم'' کہا جائے، اور یہ بات کاشف اور تقریب کی سرسری طور سے ورق گردانی کرنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے، اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ تمام بن نجیح حافظ ذہبی اور

حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی متروک اور متہم نہیں ہے، اور یہیں سے حضرت محدث اعظمیؒ کی عظمت وبلندی، ان کی شان تحقیق اور امامت فن، ان کی دقت نظر اور ژرف نگاہی کا بھی اندازہ ہوگیا کہ جن لوگوں نے امام بخاری کے قول ''فیہ نظر'' کو راوی کے متروک ہونے پر بطور قاعدہ کلیہ اطلاق کیا ہے، وہ درست نہیں ہے، بلکہ اس کا کچھ اور مطلب اور محمل بھی ہوسکتا ہے۔

شاغف صاحب آگے لکھتے ہیں:

''محدثین کرام کبھی ضعیف ومتروک راویوں کی روایتوں کو یا ضعیف ومرسل روایتوں کو بضمن شواہد ومتابع اس لیے ذکر کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ اس حدیث کی ایک سند یہ بھی ہے، چنانچہ امام المحدثین کتاب الرقاق میں رقمطراز ہیں: قال أبو عبدالله: حديث أبي صالح عن أبي الدرداء مرسل لا يصح، إنما أوردناه للمعرفة، والصحيح حديث أبي ذر''۔

مضمون نگار نے اس عبارت میں امام بخاری کا قول نقل کرکے اپنی علمی لیاقت کا رعب جمانا چاہا ہے، مگر ان کی عبارت سے ان کی لیاقت کے بجائے فن حدیث سے ان کی بے خبری ثابت ہوتی ہے، ان کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضعیف، متروک اور مرسل میں کوئی فرق ہی نہیں سمجھتے، انھوں نے جب اپنے دعوے میں متروک راوی کی شہادت ومتابعت کا ذکر کیا ہے، تو دلیل کے طور پر ایسی روایت پیش کرنی چاہیے تھی جس میں کوئی راوی متروک ہو، اور اس کو کسی محدث نے شہادت ومتابعت کے طور پر روایت کیا ہے، کیا امام بخاری کے قول کو انھوں نے اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو امام المحدثین کی اس عبارت کو

پیش کرنے سے فائدہ؟! اور اگر اثبات میں ہے تو ان کو یہ بتانا چاہئے کہ جس حدیث کے متعلق امام بخاری نے مرسل لا یصح الخ کہا ہے، اس کی سند میں کون سا راوی متروک ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ امام بخاری نے کتاب الرقاق کے باب المکثرون هم الأقلون کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے، اس کی سند یہ ہے: قتيبة بن سعيد، قال: حدثنا جرير، عن عبدالعزيز بن رفيع، عن زيد بن وهب، عن أبي ذر. پھر پوری حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے: قال النضر: أخبرنا شعبة، حدثنا حبيب بن أبي ثابت، والأعمش، وعبد العزيز بن رفيع، قالوا: حدثنا زيد بن وهب بهذا، وعبدالعزيز عن أبي صالح عن أبي الدرداء نحو ذلك. اسی کے بعد امام بخاری نے وہ قول ارشاد فرمایا ہے جس کو مضمون نگار نے اپنی مذکورہ بالا عبارت میں پیش کیا ہے کہ قال أبو عبد الله (إلى) والصحيح حديث أبي ذر۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں جو حدیث مروی ہے اس کو عبدالعزیز بن رُفیع، حبیب بن ابی ثابت اور اعمش تینوں نے زید بن وہب سے اور زید نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے، لیکن اسی حدیث کو عبدالعزیز بن رفیع نے ابوصالح سے اور انھوں نے ابوالدرداء سے روایت کیا ہے۔ اسی دوسرے سلسلۂ سند کے بارے میں امام بخاری نے کہا ہے کہ مرسل لا یصح. شاغف صاحب فرمائیں کہ اس سلسلۂ سند میں کون سا راوی ضعیف و متروک ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کی اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے، اس کی سند یہ ہے: أحمد عن ابن نمير، عن الأعمش، عن أبي صالح عن

أبي الدرداء (فتح الباری ۱۱/ ۲۰۹) بتایئے اس میں کون سا راوی ایسا ہے جو متروک و متہم یا ضعیف ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ مرسل کے بعد لا یصح کہنا کچھ اور نہیں ہے بلکہ اسی لفظ مرسل کی تاکید ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سلسلۂ سند میں اتصال نہیں ہے، بلکہ ایک طرح کا انقطاع ہے، اور اس علت انقطاع کی وجہ سے وہ روایت درجۂ صحت سے گری ہوئی ہے۔

راشد بن داؤد صنعانی کے متعلق علامہ اعظمیؒ کے قول پر اپنی تنقید میں مضمون نگار نے لکھا ہے:

اس راوی کا ترجمہ التاریخ الکبیر (۳/ ۲۹۷) میں موجود ہے، لیکن اس میں "فیہ نظر" کا لفظ نہیں ہے، گویا امام بخاری پر یہ اتہام ہے کہ امام بخاری نے اس کے متعلق "فیہ نظر" کہا ہے۔

اگر اس راوی کی نسبت "فیہ نظر" کے قول کو امام بخاری کی طرف منسوب کرنا اتہام ہے، تو یہ تہمت طرازی اور اتہام سازی کرنے والے کون لوگ ہیں، خود جناب شاغف صاحب کی تحریر کی رو سے یہ تہمت لگانے والے حافظ ابن حجر اور امام مزی قرار پاتے ہیں، چنانچہ آگے انھوں نے "تنبیہ" کے تحت جو لکھا ہے اس کو پڑھیں، فرماتے ہیں:

"تہذیب التہذیب اور تہذیب الکمال میں اس راوی کے ترجمہ میں ہے کہ: وقال البخاري: فيه نظر. اس کی توجیہ یہ ہے کہ امام مزی سے اس نقل میں اگر چوک نہیں ہوئی ہے، تو ان کے سامنے کوئی ایسا نسخہ ہوگا جس میں کاتب کی غلطی سے یہ لفظ لکھ گیا ہوگا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیہ نظر کو امام بخاری کی طرف منسوب کرنا اگر بقول شاغف صاحب اتہام ہے، تو اس اتہام کا الزام مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی پر نہیں آتا، بلکہ اس اتہام کے ملزم حافظ ابن حجر اور ان سے بھی پہلے امام مزی ٹھہرتے ہیں، کیونکہ ان ہی دونوں بزرگوں نے امام بخاری کی طرف اس قول کو منسوب کر کے لکھا ہے، علامہ اعظمیؒ کی حیثیت تو ناقل کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ نہ امام مزی سے اس نقل میں چوک ہوئی ہو، اور نہ کاتب سے نسخہ نویسی میں کوئی غلطی ہوئی ہو، یہاں بھی وہی بات کیوں نہیں کہی جا سکتی جو شاغف صاحب نے آگے چل کر ثعلبہ بن یزید حمانی کے تذکرے میں لکھی ہے کہ:

''تاریخ کبیر میں سقط ہے، لیکن تہذیب التہذیب اور تہذیب الکمال میں امام بخاری کا صحیح قول منقول ہے۔''

یعنی جس طرح انھوں نے ثعلبہ کے ترجمہ میں تاریخ کبیر میں سقط ہونے کا دعوی کیا ہے، اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تاریخ کبیر میں کاتب کی غلطی سے یہ لفظ چھوٹ گیا ہو، اور مزی وغیرہ کے نسخے میں یہ لفظ موجود رہا ہو، جبکہ امام بخاری کی طرف منسوب کر کے اس لفظ کو حافظ مزی نے تہذیب الکمال، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب، خزرجی نے خلاصہ اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں نقل کیا ہے، مضمون نگار سے سوال ہے کہ ان تینوں کتابوں میں کاتب کی غلطی ماننا آسان ہے، یا صرف ایک کتاب تاریخ بخاری میں؟

اور یہ بھی کیا ضروری ہے کہ مزی اور حافظ نے امام بخاری کے اس کلام کو تاریخ کبیر ہی سے نقل کیا ہو، کیا ان کے سامنے امام بخاری کے قول کو نقل کرنے کے

لیے کوئی دوسرا ماخذ نہیں ہو سکتا۔

شاغف صاحب نے آگے چل کر جو کچھ لکھا ہے، وہ ان کی علمی لیاقت کا ایک اور عجیب وغریب نمونہ ہے، لکھتے ہیں:

''اب آخر میں اس راوی کے بارے میں امام ذہبی کا فیصلہ سن لیں، امام ذہبی فرماتے ہیں: **مختلف فيه، وثقه ابن معين وضعفه الدارقطني.** اور مختلف فیہ راوی عملاً متروک ہی ہوتا ہے۔''

ان کا یہ فرمانا کہ: ''مختلف فیہ راوی عملاً متروک ہی ہوتا ہے'' کسی حیرت انگیز انکشاف سے کم نہیں ہے، تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں بہت کم راوی ایسے ملیں گے، جن کی نسبت ائمۂ جرح وتعدیل کے اقوال طعن وتوثیق کے اعتبار سے مختلف نہ ہوں، تو کیا یہ سارے راوی متروک ہوں گے؟ شاغف صاحب نے اگر کچھ پڑھا لکھا ہوتا تو ان کو معلوم ہوتا کہ ایسا راوی جس کی توثیق وتضعیف میں اختلاف ہو، یعنی کسی امام جرح وتعدیل نے اس کو ثقہ اور کسی نے ضعیف قرار دیا ہو، وہ راوی قابل قبول ہوتا ہے، اور اس کی بیان کردہ روایت بدرجۂ حسن ہوتی ہے۔ اسی سلسلے میں **قواعد في علوم الحديث** (۱) کے اندر مولانا ظفر احمد تھانوی نے امام منذری، حافظ زیلعی، محقق ابن الہمام، علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر کی مختلف عبارتیں اور اقوال نقل کیے ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ: **أن الراوي إذا كان مختلفاً فيه فهو حسن الحديث، وحديثه حسن،** یعنی اگر راوی مختلف فیہ ہو تو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے، اور اس کی حدیث حسن ہوتی ہے۔

جہل ونادانی کا اس سے بڑا نمونہ کیا ہو سکتا ہے کہ امام منذری، زیلعی، ابن

---

(۱) ص ۷۷

الہمام، سیوطی اور حافظ ابن حجر جیسے محدثین اور ائمہ فن جس راوی کو حسن الحدیث قرار دیں، اس کو "مکہ مکرمہ میں مقیم اچھوتے انداز سے خدمت حدیث کرنے والے" عملاً متروک ٹھہرائیں، اور ان کی اس تحقیق انیق پر عرب سے لے کر عجم تک کے عاملین بالحدیث دادِ تحسین پیش کریں اور خوشی کے شادیانے بجائیں۔

یہ لوگ احناف دشمنی میں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ان کے اپنے علماء نے کیا لکھا ہے، اگر دیکھتے تو ان کو یہ معلوم ہوتا کہ محدث مبارک پوری نے ایسے راوی کو مقبول اور قابل احتجاج قرار دیا ہے، ایک راوی جواب تیمی ہیں، ان کو یحیٰ بن معین نے ثقہ اور ابن نمیر نے ضعیف کہا ہے، مبارک پوری صاحب ابکار المنن (۱) میں ابن معین کی توثیق نقل کر کے لکھتے ہیں: **فهو مقبول قابل للاحتجاج بلا شبهة.** یعنی وہ مقبول ہے، بلاشبہ قابل احتجاج ہے۔

اس کے بعد مولانا مبارک پوری نے مزید لکھا ہے: **وأما تضعيف ابن نمير، فهو جرح مبهم، فبعد توثيق ابن معين لا يقبل تضعيفه.** یعنی ابن نمیر کی تضعیف جرح مبہم ہے، لہذا وہ ابن معین کی توثیق کے بعد قابل قبول نہیں ہے۔

عبدالعزیز دراوردی پر امام احمد، ابو حاتم اور ابوزرعہ وغیرہ نے جرح کی ہے، مگر ان تمام حضرات کی جرحوں کا تذکرہ کر کے مولانا مبارک پوری لکھتے ہیں: **غير قادح أيضاً بعد ما وثقه يحيى بن معين وعلي بن المديني وغيرهما، وبعد ما احتج به مسلم في صحيحه وأصحاب السنن.** (۲) یعنی ان کے حق میں امام احمد، ابو حاتم اور ابوزرعہ وغیرہ کی جرح یحیٰ بن معین اور علی بن المدینی وغیرہما کی توثیق اور مسلم اور اصحاب سنن اربعہ کے ان سے احتجاج کے بعد مضر نہیں ہے۔

---

(۱) ص ۴۸۸ (۲) ص ۶۰۷

واقعہ یہ ہے کہ اچھوتے انداز سے خدمت حدیث کرنے والے شاغف صاحب نے متروک کا مطلب ہی نہیں سمجھا ہے، تو میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ متروک کیسا راوی ہوتا ہے، حافظ ابن حجر نے تقریب میں راویوں کے بارہ مراتب قائم کیے ہیں، اس میں دسویں مرتبے پر لکھتے ہیں: من لم يُوثَّق البتة، وضُعِّف مع ذلك بقادح، وإليه الإشارة: بمتروك. " یعنی متروک وہ ہے جس کی سرے سے توثیق ہی نہ کی گئی ہو، اور اسی کے ساتھ سخت لفظ کے ذریعے اس کی تضعیف بھی کی گئی ہو۔

مزید یہ کہ اس راوی (راشد بن داؤد) کو ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے، اور مبارک پوری صاحب ابن معین کی توثیق کو جو اہمیت دیتے ہیں، اس کو ان کی کتاب ابکار المنن میں بہ کثرت دیکھا جا سکتا ہے، ابھی گزر چکا ہے کہ ابن نمیر کی تضعیف کے بارے میں انھوں نے لکھ دیا ہے کہ ابن معین کی توثیق کے بعد ان کی جرح نا قابل قبول ہے۔

ایک راوی کے بارے میں امام بخاریؒ نے عنده مناكير اور نسائی نے ليس بالقوي کہا ہے، تو مولانا مبارک پوری نے امام المحدثین اور امام نسائی کی جرحوں کا شد و مد سے رد کیا ہے، اور ابن معین کی توثیق کو اس اہتمام سے ذکر کیا ہے: قد وثقه إمام الجرح والتعديل يحيى بن معين. (۱)

یہ ہے محدث مبارک پوری کی نگاہ میں ابن معین کی توثیق کی اہمیت کہ ان کی توثیق کے بعد کسی کی جرح کو لائق التفات بھی نہیں سمجھتے، اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ دارقطنی کے ضعیف کہنے کو وہ کیا حیثیت دیتے ہیں، دارقطنی نے ایک راوی کو ضعیف قرار دیا تو اس پر مبارک پوری صاحب نے لکھا کہ: وأما قول الدارقطني: "إنه ضعيف"، فهو جرح مبهم، فلا يقبل. (۲) یعنی دارقطنی کا ضعیف کہنا جرح مبہم

(۱) ابکار المنن ۳۷۴ (۲) ابکار ص ۴۵۹

ہے،اس لئے قابل قبول نہیں ہے۔

ثعلبہ بن یزید حمانی | کی نسبت علامہ اعظمیؒ کے قول پر مضمون نگار نے جو تنقید کی ہے،اس میں لکھا ہے:

''تاریخ کبیر میں سقط ہے،لیکن تہذیب التہذیب اور تہذیب الکمال میں امام بخاری کا صحیح قول منقول ہے اور اسی کو یہاں نقل کیا گیا ہے یعنی في حديثه نظر لا يتابع في حديثه.''

یہاں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کبیر میں سقط ہے اور تہذیب میں جو منقول ہے وہ صحیح ہے، جبکہ صرف چند سطر پہلے تاریخ کبیر میں ''فيه نظر'' ان کو نہیں ملا، تو تہذیب میں مذکور ہونے کو امام بخاری پر اتہام قرار دے دیا، یہ بوالعجبی نہیں ہے تو اور کیا ہے!

رہا آپ کا یہ دعوی کہ تاریخ کبیر میں سقط میں ہے، تو اس دعوی کی آپ کے پاس دلیل کیا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تہذیب وغیرہ میں حکایت بالمعنی ہو اور تاریخ کبیر کے مطبوعہ نسخے میں جو ہو وہی صحیح ہو، اور تاریخ کبیر میں ثعلبہ کے تذکرہ کو دیکھنے کے بعد یہی قرین صواب بھی معلوم ہوتا ہے، ثعلبہ کا تذکرہ تاریخ کبیر میں یوں ہے:

ثعلبة بن يزيد الحماني: سمع علياً، روى عنه حبيب بن أبي ثابت، يعد في الكوفيين، فيه نظر. قال النبي ﷺ لعلي: إن الأمة ستغدر بك. ولا يتابع عليه.

اس سیاق کا موازنہ تہذیب کی عبارت سے کیجئے، اس کے بعد بتلایئے کہ تاریخ کبیر میں سقط ہونے کی نفی اور تہذیب میں حکایت معنوی ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

آگے ثعلبہ کی روایت کردہ ایک حدیث ذکر کر کے لکھتے ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن اور ان کے ہونہار و لائق شاگرد عبدالفتاح ابوغدہ پر واجب و لازم تھا کہ ثعلبہ بن یزید حمانی سے اس مروی حدیث کی صحت ثابت کرتے اور اس کے شاہد و متابع کو تلاش کر کے بیان کرتے، اس کے بعد امام بخاری پر اعتراض کرتے''۔

مضمون نگار کی یہ عبارت بھی ان کی نادانی اور کم فہمی کی پوری طرح آئینہ دار ہے، مولانا اعظمیؒ یا ان کے لائق شاگرد نے ثعلبہ کی اس حدیث کے شاہد و متابع ہونے کا کب دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس کو تلاش کر کے بیان کریں۔ مولانا اعظمیؒ نے تو خود ہی اپنی تحریر میں امام بخاری کے قول کا محمل بیان کرتے ہوئے یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ امام بخاری فیہ نظر کہہ کر راوی پر جرح کرنا چاہتے ہیں، لیکن ضروری نہیں ہے کہ دوسرے ائمۂ فن کو بھی ان سے اتفاق ہو، اور کبھی کوئی خاص سند مراد لے کر اس پر جرح کرنا چاہتے ہیں، اور کبھی فیہ نظر کہنے کا مقصد راوی یا سند نہیں بلکہ اس کی روایت کردہ حدیث میں کوئی ایسی علّت یا خرابی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے امام بخاری فیہ نظر فرماتے ہیں۔ اس لیے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مضمون نگار نے آگے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر کا کلام خود مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے یوں نقل فرمایا ہے: صدوق شیعي. ذہبی المغني في الضعفاء میں فرماتے ہیں: شیعي غال اور ان دونوں عبارتوں خلاصہ (کذا) یہ ہے کہ سچا ہونے کے باوجود شیعیت میں غلو پسند ہے، پتہ نہیں مولانا حبیب الرحمٰن اور عبدالفتاح ابوغدہ کا اس غالی شیعہ سے کیا رشتہ ہے؟''

رشتے کی بابت تو ہم تھوڑی دیر بعد عرض کریں گے کہ کس کا کس سے کیا رشتہ ہے، اس سے پہلے یہ سن لیں کہ صدوق شیعي یا شیعي غال کا جو یہ مطلب لکھا ہے کہ: ''سچا ہونے کے باوجود شیعیت میں غلو پسند ہے'' وہ بالکل غلط اور الٹا مفہوم یا بلفظ دیگر مضمون نگار کی ہیرا پھیری ہے، اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ شیعہ یا شیعیت میں غلو کے باوجود وہ سچا اور راست گو ہے۔

اگر کہا جائے کہ دونوں میں فرق کیا ہے، تو اس کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ شاغف صاحب نے اس کا جو خلاصۂ مطلب بیان کیا ہے، اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے یا اس سے یہ باور ہوتا ہے کہ راوی اگرچہ سچا ہے مگر چونکہ شیعہ ہے یا شیعیت میں غلو پسند ہے، اس لیے اس کا سچا ہونا (صدوق ہونا) اس کے حق میں مفید نہیں ہے۔ اور میں نے جو مطلب بیان کیا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ راوی اگرچہ شیعہ یا شیعیت میں غلو پسند ہے، مگر چونکہ سچا اور راست گو ہے، اس لیے اس کی شیعیت اس کی روایت کے قبول ہونے کے حق میں مضر اور اس سے مانع نہیں ہے، اور انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ راست گوئی کی وجہ سے اس کی روایت قبول کر لی جائے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

بدعتی کی روایت کا مسئلہ | بدعتی کی بدعت اگر موجب کفر نہ ہو یعنی اس کی بدعت اتنی سنگین نہ ہو کہ اس کو کفر کی حد میں داخل کر دے، تو اس کی روایت کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں علماء امت کا حسب ذیل اختلاف ہے۔(۱)

۱- لا یحتج مطلقاً- یعنی اگر راوی کے اندر بدعت ہے تو اس کی روایت سے قطعی طور پر احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قول امام مالک کی طرف منسوب کیا گیا ہے،

(۱) تدریب الراوی مع التقریب ۱/۳۲۴-۳۲۵۔

اور اہل علم نے اس سے اتفاق نہیں کیا ہے، جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

۲-**يحتج به إن لم يكن ممن يستحل الكذب في نصرة مذهبه أو لأهل مذهبه، وحكي عن الشافعي.** یعنی اگر بدعتی ایسا ہے کہ اپنے مذہب کی تائید یا اپنے ہم مذہبوں کی حمایت کے لیے دروغ گوئی کو جائز نہیں سمجھتا ہے (خواہ وہ اپنے مذہب کا داعی اور مبلغ ہی کیوں نہ ہو) تو اس سے احتجاج کیا جائے گا۔ یہ قول امام شافعی سے نقل کیا گیا ہے۔

۳-**يحتج به إن لم يكن داعية إلى بدعته ولا يحتج به إن كان داعية.** یعنی اگر وہ اپنے مذہب کا داعی اور مبلغ نہیں ہے تو اس کی روایت سے احتجاج کیا جاسکتا ہے، اور اگر داعی ہے تو اس کی روایت حجت نہیں ہوگی۔

امام نووی نے تقریب میں ان تینوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد تیسرے قول کی نسبت لکھا ہے: **هذا هو الأظهر الأعمل، وقول الكثير أو الأكثر.** یعنی یہ تیسرا قول زیادہ واضح اور مبنی بر انصاف ہے اور اسی کو زیادہ یا بیشتر لوگوں نے اختیار کیا ہے۔

اور پہلے قول (**لا يحتج مطلقاً**) پر یہ تبصرہ کیا ہے: **وضعف الأول باحتجاج صاحبي الصحيحين وغيرهما بكثير من المبتدعة غير الدعاة.** یعنی پہلا قول کمزور اور غیر مضبوط ہے کیونکہ امام بخاری و مسلم وغیرہ نے بہت سے ایسے بدعتیوں کی روایت سے احتجاج کیا ہے جو داعی نہیں ہیں۔

نمونہ کے طور پر دیکھیے کہ خالد بن مخلد قطوانی (۱) کی روایت صحیحین وغیرہما میں ہے، بلکہ حافظ ابن حجر نے تو لکھا ہے: **من كبار شيوخ البخاري** (امام

(۱) ہدی الساری

بخاری کے بزرگ اساتذہ میں ہیں)۔ان کے بارے میں عجلی نے لکھا ہے: ثقة فيه تشيع. ثقہ ہیں ان کے اندر تشیع ہے۔

ابن سعد نے کہا ہے: كان متشيعاً مفرطاً. یعنی ان کے اندر افراط کی حد تک تشیع تھا۔

صالح جزرہ نے کہا ہے: ثقة إلا أنه كان متهماً بالغلو في التشيع. یعنی ثقہ تو تھے مگر ان پر تشیع میں غلو کی تہمت تھی۔

اور ابوداؤد نے کہا ہے: صدوق إلا أنه يتشيع. یعنی راست گو تھے مگر شیعہ تھے۔

اس افراط اور غلو کے باوجود امام بخاری نے ان کی روایت اپنی صحیح میں لی ہے، شاغف صاحب اور ان کے ہم نوا وہم خیال حضرات بتائیں کہ امام بخاریؒ کو اس مفرط اور غالی شیعہ سے کیا رشتہ تھا؟!

اور سنیے کہ علامہ سیوطی نے تدریب میں امام حاکم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "كتاب مسلم ملآن من الشيعة" یعنی مسلم کی کتاب شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہے۔

شاغف صاحب جواب دیں کہ امام مسلم کو ان شیعوں سے کیا رشتہ تھا؟

اس قسم کی ایک دو نہیں دسیوں بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن طوالت کا خوف مانع ہے، لہذا اسی ایک مثال پر اکتفا کرتے ہوئے ہم مضمون نگار جناب شاغف صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ پہلے وہ ان رشتوں کے بارے میں جواب دیں جو امام بخاریؒ وغیرہ کو ان شیعوں سے ہے، پھر مولانا اعظمیؒ اور ان کے شاگرد پر اعتراض کا حوصلہ کریں۔

اس باب میں اصل قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر راوی کے اندر شیعیت یا کوئی دوسری بدعت ہے جو سبب کفر نہیں ہے، اور وہ راوی عادل اور ثقہ ہے اور اپنے مذہب کا داعی نہیں ہے، تو اس کی روایت قبول کر لی جائے گی۔ حافظ ابن حجر مقدمہ میں خالد قطوانی کے تذکرے میں لکھتے ہیں: **أما التشيع فقد قدمنا أنه إذا كان ثبت الأخذ والأداء لا يضره، لا سيما ولم يكن داعية إلى رأيه.** (۱) یعنی شیعیت کی نسبت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اگر راوی حدیث لینے اور اس کی روایت کرنے میں ٹھیک ٹھاک اور ٹھوس ہو تو یہ اس کے لئے مضر نہیں ہے، اور خاص کر اس وقت جب اپنے عقیدے کی طرف دعوت نہ دیتا ہو۔

جعدہ مخزومی | ہم بارہا یہ عرض کر چکے ہیں کہ امام بخاری کے قول **فيه نظر** کے سلسلے میں علامہ اعظمیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ **فيه نظر** کہنے کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ راوی ان کی نظر میں متروک ہو، مگر اس صورت میں ضروری نہیں ہے کہ امام بخاری کی اس رائے سے دوسرے ائمہ فن بھی متفق ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی خاص سند یا خاص حدیث مراد ہو۔

جعدہ کی نسبت بھی امام بخاری کا جو قول تہذیب التہذیب میں منقول ہے وہ یہ ہے: **لا أعرف له إلا هذا الحديث وفيه نظر.** اب اگر **فيه نظر** سے اس کو متروک قرار دیا جائے، تو بظاہر امام ترمذی کو اس سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اس کی روایت کو اپنی کتاب میں شامل کر رہے ہیں، اور ابن حجر کی نگاہ میں بھی وہ متروک نہیں ہے، اس لیے کہ ابن حجر نے جعدہ کو مقبول کہا ہے، اور ابن حجر جس کے بارے میں لفظ "مقبول" لکھتے ہیں، اس سے ان کی مراد کیا ہوتی ہے، اس کی

---

(۱) مقدمہ فتح الباری، نیز قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۰۷

وضاحت انھوں نے یہ کی ہے: من لیس لہ من الحدیث إلا القلیل، ولم یثبت فیہ ما یترک حدیثہ من أجلہ. یعنی مقبول کا لفظ وہ ایسے راوی کی نسبت استعمال کرتے ہیں جس کی حدیث کی تعداد کم ہو، اور اس کی نسبت کوئی ایسی جرح نہ ثابت ہو جس کی وجہ سے اس کی حدیث چھوڑ دی جائے۔

اور آگے انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ان سب سے حضرت محدث الاعظمیؒ کی تحقیق کی تائید ہوتی ہے، اگر ان کو سمجھ میں نہ آئے تو یہ ان کا قصور فہم اور قلت تدبر ہے۔

جمیع بن عمیر تیمی | ان کے تذکرے کے تحت مضمون نگار نے جو تنقید یا اعتراض کیا ہے، اس کا جواب وہی ہے جو ثعلبہ حمانی اور جعدہ مخزومی کے تحت گزر چکا ہے۔

حبیب بن سالم | کے بارے میں علامہ اعظمیؒ کی تحقیق پر ''اچھوتے انداز سے علم حدیث کی خدمت کرنے والے محترم'' نے یہ تنقید کی ہے:

> ''حبیب بن سالم کی کل تین روایتیں مسلم اور سنن اربعہ میں مروی ہیں، جن میں سے صرف ایک ہی روایت مسلم میں ہے اور جو روایت مسلم میں ہے وہ احناف کے مذہب کے خلاف ہے۔ پتہ نہیں یہ حضرات امام بخاری کی دشمنی میں اپنے مذہب کو بھی بھول جاتے ہیں''۔

مضمون نگار کی اس تنقید سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا اعظمی جیسے حضرات وہی بات کہتے ہیں، جو ان کے نزدیک تحقیق سے صحیح ثابت ہوتی ہے۔ چاہے وہ ان کے مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مضمون نگار صاحب حبیب بن سالم کو متروک کہنے کے درپے ہیں، تو وہ شوق سے ایسا کریں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتائیں کہ کیا امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں متروک راوی کی بھی روایت لی ہے، اگر لی ہے تو مضمون نگار اور

ان کے اعوان وانصار سب مل کر اس کی وجہ بھی بتائیں، کہیں امام مسلم کے اس روایت کو لینے کی وجہ اور محرک یہ تو نہیں ہے کہ ''وہ احناف کے مذہب کے خلاف ہے''؟ آپ حضرات ذرا سوچ سمجھ کر اس سوال کا جواب دیں؟

اگر امام مسلم نے ایک ہی روایت سہی متروک راوی کی لے لی تو کیا اس کے بعد بھی ان کی کتاب صحت کے معیار پر پوری اتر سکے گی؟

آگے انھوں نے متعدد کتابوں کا حوالہ دینے کے بعد لکھا ہے:

''امام ذہبی نے صرف یہ کہا ہے کہ 'وثقه أبو حاتم وقال البخاري فيه نظر' اگر آپ غور وامعان سے اس عبارت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو آپ پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ امام بخاری کی جرح 'فيه نظر' مفسر ہے، لہذا ابو حاتم وغیرہ کی توثیق پر مقدم ہے''۔

گزارش ہے کہ غور وامعان کے بعد کسی اور پر ظاہر ہو یا نہ ہو، آپ نے اگر اس عبارت کو سمجھا ہے اور آپ پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ امام بخاری کی جرح فیہ نظر مفسر ہے، تو آپ کے لیے ضروری تھا کہ وضاحت کرتے کہ اس میں کس طرح تفسیر پائی جاتی ہے اور کس لحاظ سے مفسر ہے، کیونکہ اب تک کے ہمارے معروضات سے یہ ظاہر اور واضح ہو چکا ہے کہ آنجناب کو غور وامعان کا جو ملکہ اور جو حظ وافر ودیعت کیا گیا ہے، دوسرے لوگ اس سے محروم ہیں۔ باقی رہا اصول حدیث کا یہ قاعدہ کہ جرح مفسر توثیق پر مقدم ہوتی ہے، تو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے، لیکن پہلے مضمون نگار صاحب تفسیر تو ثابت کریں۔

اصول حدیث میں جس طرح یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے، اسی طرح ایک دوسرا قاعدہ بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ متکلمون فی الرجال کئی قسم کے

ہوتے ہیں، ان میں ایک قسم وہ ہے جو جرح میں متعنت اور تعدیل میں متثبت ہوتے ہیں، اس قسم کے جرح کرنے والے کے بارے میں علماء نے لکھا ہے: فهـــذا إذا وثّق شخصاً فعضّ على قوله بنواجذك وتمسك بتوثيقه. (۱) یعنی اتنا سخت آدمی اگر کسی کی توثیق کردے تو اس کے ثقہ قرار دینے کو مان لو اور اس کو اپنے دانت سے پکڑلو۔

اور امام ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے ابوحاتم اور ابن حبان دونوں کا شمار متعنتین میں کیا ہے، دیکھئے الرفع والتکمیل صفحہ ۲۷۵ و ۲۷۹، وانکار المنن صفحہ ۵۰۲ و ۷۲۲۔ اور یہاں پر حبیب بن سالم کی ابوحاتم اور ابن حبان دونوں نے توثیق کی ہے، بلکہ اگر مضمون نگار صاحب غور وامعان سے کام لیں تو نسائی نے بھی توثیق کی ہے، اور نسائی کا شمار بھی متعنتین میں ہوتا ہے، دیکھئے انکار المنن صفحہ ۲۵۵ و ۷۵۹۔

آگے لکھا ہے:

"امام مسلم نے ان سے جو روایت لی ہے اس پر شواہد موجود ہیں، لہٰذا اس روایت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، صرف اسی کی روایت پر تکیہ وبھروسہ نہیں کیا ہے۔"

یہاں دو جملوں پر بطور خاص غور کرنے کی ضرورت ہے، ایک تو ان کا یہ فرمانا کہ "جو روایت لی ہے اس پر شواہد موجود ہیں"۔ دوسرا یہ ارشاد کہ "صرف اسی کی روایت پر تکیہ وبھروسہ نہیں کیا ہے"۔ ایک معمولی ذہن ودماغ کا آدمی بھی ان فقروں سے اتنا تو ضرور سمجھ سکتا ہے کہ اس کی روایت پر شواہد موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امام مسلم نے اس کو اصول میں ذکر کیا ہے، لیجئے اب تک تو استشہاد اور متابعت ہی کا

(۱) اربع رسائل في علوم الحديث ص ۱۳۲ و ص ۱۵۸۔

مسئلہ درپیش تھا، اب امام بخاریؒ کے متروک قرار دیے گئے راوی معرض احتجاج میں بھی آنے لگے، اور وہ بھی صحیح مسلم میں۔

مضمون نگار نے آگے لکھا ہے:

''رہے اصحاب سنن اربعہ تو انھوں نے یہ کب شرط لگائی ہے کہ صرف ثقہ راویوں ہی سے روایت لیں گے''۔

سنن اربعہ میں سے ابوداؤد اور ترمذی کی شرط کے متعلق ہم گذشتہ صفحات میں تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں، اس لئے اس پر عرض کرنے کی تو حاجت نہیں، صرف چند لفظوں میں نسائی کی شرط کی بابت عرض کیا جا رہا ہے۔

گزارش ہے کہ امام نسائی سے روایت کرنے والے محمد بن معاویہ الاحمر نے خود نسائی کا یہ قول نقل کیا ہے: **کتاب ''السنن'' الکبری کله صحیح و بعضه معلول، إلا أنه لم یبین علته، و المنتخب المسمی ''بالمجتبی'' صحیح کله.** (۱) یعنی سنن کبری تو سب صحیح ہے اور کچھ معلول بھی ہے۔ مگر یہ ہے کہ اس میں انھوں نے معلول کی علت بیان نہیں کی ہے۔ اور اس کا مختصر جو مجتبی کے نام سے ہے تو وہ سب صحیح ہے۔

دیکھئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہیں کہ کم از کم مجتبی کی تمام حدیثیں امام نسائی کے نزدیک صحیح ہیں۔ یعنی ضعیف نہیں ہیں، چاہے وہ اصطلاحی لحاظ سے حسن کے درجے میں ہوں۔

اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابوالولید احمد بن عبدالرحمٰن بُسری کے تذکرے میں خطیب بغدادی کا قول نقل کیا ہے کہ: **حدث عنه النسائي،**

(۱) قواعد فی علوم الحدیث ص ۷۱-۷۲

وحسبک بــــه. (۱) یعنی ان سے نسائی نے روایت کی ہے، اور نسائی کا روایت کر دینا ہی کافی ہے۔

اور سعد بن علی زنجانی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ: إن لأبي عبد الرحمن شرطاً في الرجال أشدّ من شرط البخاري ومسلم (۲) یعنی نسائی کی کچھ شرطیں ایسی ہیں، جو بخاری و مسلم کی شرطوں سے بھی سخت ہیں۔

اگر چہ زنجانی کا یہ قول علی الاطلاق تسلیم شدہ نہیں ہے، اور حافظ ابن کثیر نے اس کا رد کیا ہے، (۳) لیکن اس سے نسائی کی شرط کا فی الجملہ سخت ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: فكم من رجل أخرج له أبو داؤد والترمذي، وتجنب النسائي إخراج حديثه، بل تجنب إخراج حديث جماعة من رجال الصحيحين، (۴) یعنی کتنے ایسے راوی ہیں جن کی روایت ابوداؤد اور ترمذی نے قبول کی ہے، لیکن نسائی نے ان سے پہلو تہی کی ہے، بلکہ انھوں نے تو صحیحین کے بھی بہت سے راویوں کی حدیث لینے سے چشم پوشی کی ہے۔

حریش بن خریت کی نسبت علامہ اعظمیؒ کی تحقیق پڑھنے کے بعد معترض کی یہ تنقید پڑھئے:

> "یہ ساتواں راوی ہے جس کے متعلق امام بخاری کا قول "فيه نظر" منقول ہے اور اس کے بعد بقول ابن حجر "أرجو أن يكون صالحاً" بھی ہے۔ اب ان عقلمندوں سے میرا یہ سوال ہے کہ ایک ہی سانس میں ایک ہی

---

(۱) قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۲۲۔ (۲) قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۲۲۔ اور اسی طرح کا قول نواب صدیق حسن خاں نے الحطہ (ص ۲۵۴) میں حافظ ابو علی اور حاکم و خطیب سے بھی نقل کیا ہے۔ (۳) دیکھئے حاشیہ شیخ ابو غدہ بر رفع و تکمیل ص ۳۰۷-۳۰۸ اور الحطہ ص ۲۵۴۔ (۴) الرفع والتکمیل ص ۳۰۷

راوی کے بارے میں ایک ہی سطر کے اندر یہ دو متضاد قول کیوں''؟

واضح رہے کہ علامہ اعظمیؒ نے جو نقل کیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ تاریخ بخاری میں "فیه نظر" کے بعد صرف أرجو ہے، شیخ معلمی یمانی نے تاریخ بخاری کی تحقیق کی تو اس میں حاشیہ پر لکھا کہ غالباً امام بخاری أرجو أنه لا بأس به کہنا چاہتے تھے، اور حافظ ابن حجر نے تو تہذیب میں امام بخاری کی طرف أرجو أن یکون صالحاً کی پوری عبارت ہی منسوب کی ہے، لہذا اچھا ہے شیخ معلمی یمانی کی توضیح ہو، یا حافظ ابن حجر کی حکایت، مضمون نگار نے ''ان عقلمندوں'' کے لفظ سے جو چوٹ کی ہے، وہ براہ راست معلمی یمانی اور حافظ ابن حجر ہی پر پڑتی ہے، اس لیے کہ علامہ اعظمیؒ تو ان فقروں اور عبارتوں کے ناقل ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ان کو متضاد کہنا بے انصافی اور زبردستی ہے، جب تک کہ وہ یہ ثابت نہ کرلیں کہ "فیه نظر" سے مراد راوی کا متروک اور متہم ہونا ہے، اور امام بخاری کی مراد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد اگلے پیراگراف میں انھوں نے جو یہ لکھا ہے کہ:

''امام بخاری کی مخالفت میں خود ساختہ قواعد جرح وتعدیل اور اصول حدیث مرتب کرکے اپنی بدعت کو تقویت پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں''۔

وہ ان کی سراسر دریدہ دہنی اور ہرزہ سرائی وتنگ نظری ہے، وہ اصول حدیث کی ایک کتاب بھی ایسی پیش نہیں کرسکتے، جس کو حنفیہ نے (جن کو مضمون نگار صاحب بدعت کے علمبردار سے تعبیر کرتے ہیں) امام بخاری (یا کسی دوسرے محدث) کی مخالفت میں مرتب کیا ہو، قواعد جرح وتعدیل اور اصول حدیث سے متعلق جو کتابیں ترتیب دی گئیں ہیں، وہ علم حدیث کو فروغ دینے، اور ان اصول وقواعد کے ذریعے

حدیث کی تفہیم وتعبیر میں مدد دینے کے لیے لکھی گئی ہیں۔

الرفع والتکمیل اور **قواعد فی علوم الحدیث** وغیرہ کے اندر کوئی اصل اور قاعدہ خودساختہ نہیں ہے، بلکہ ائمۂ متقدمین مثلاً ابن الصلاح، عراقی، ذہبی، نووی، سیوطی، ابن کثیر، ابن حجر اور سخاوی وغیرہم نے جو کچھ لکھا ہے، اسی کا بیان، شرح وتوضیح یا تأصیل وتقعید ہے، اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ''بدعت کو تقویت پہنچانے کی'' غرض سے یہ کتابیں لکھی گئی ہیں، تو پہلے ان کو اپنی فہم ونظر کا علاج کرنا چاہیے۔

مضمون نگار نے آگے لکھا ہے:

> ''اب امام ذہبی کا قول فیصل بھی سن لیجئے ''الكاشف'' اور ''المغني في الضعفاء'' میں فرماتے ہیں ''بصري واه'' یعنی یہ شخص بصرہ کا رہنے والا، واہی ہے''۔

حقیقت یہ ہے کہ مضمون نگار یعنی ''مکہ میں مقیم اچھوتے انداز سے خدمت کرنے والے'' شیخ ابوالاشبال شاغف جرح وتعدیل کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ وعبارات میں کوئی فرق نہیں سمجھتے، بلکہ وہ حدیث یا علم واصول حدیث کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں، ورنہ وہ ایسا ''فاضلانہ'' مضمون یا مقالہ لکھنے کی ہرگز ہمت نہ کرتے، اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ یہاں انھوں نے امام ذہبی کا جو قول فیصل پیش کیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ راوی ذہبی کی نظر میں متروک نہیں ہے، خود ذہبی نے راویوں کی جو درجہ بندی کی ہے، اور ان کے لیے جو عبارتیں استعمال کی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''واہٍ'' کے لفظ سے جو جرح کرتے ہیں، وہ ''متروک'' کے لفظ سے ہلکی ہوتی ہے، یعنی متروک راوی واہی سے زیادہ بدحال ہوتا ہے، چنانچہ ذہبی کے نزدیک أردأ عبارات الجرح میں متروک تیسرے درجے پر ہے، اور واہی چوتھے

پر، دیکھئے میزان الاعتدال کا دیباچہ۔

لہٰذا ذہبی کے قول فیصل سے اتنا ثابت ہوگیا کہ ان کی نظر میں وہ متروک نہیں ہے، اور علامہ اعظمیؒ نے اپنی شناوری، دیدہ دری اور ژرف نگاہی سے یہی ثابت کیا ہے کہ اس چیز کو قاعدہ کلیہ بنانا درست نہیں ہے کہ امام بخاری جس کی نسبت "فیہ نظر" فرمادیں، اس کو یک قلم متروک قرار دے دیا جائے۔

اور حافظ عراقی کے نزدیک بھی یہی ہے کہ "واہٍ" کے لفظ سے جو جرح کی جائے وہ متروک کے مقابلے میں ہلکی اور غنیمت ہوتی ہے، دیکھئے علامہ نووی نے تقریب میں لکھا ہے: "وإذا قالوا ضعيف الحديث فدون ليس بقوی، ولا يطرح بل يعتبر به" یعنی جب ائمہ جرح وتعدیل کسی راوی کی نسبت ضعيف الحديث کہیں، تو ليس بقوی سے کمتر درجے کا ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں کہ اس کو پس پشت ڈال دیا جائے، بلکہ اس سے اعتبار کیا جائے گا۔

اس فقرے کی شرح میں سیوطی نے لکھا ہے: ومن هذه الرتبة فيما ذكره العراقي: ضعيف فقط، منكر الحديث، حديثه منكر، واه، ضعفوه (۱). یعنی عراقی کے ذکر کے مطابق ضعیف الحدیث ہی کے درجے میں وہ راوی بھی ہے، جس کے متعلق صرف "ضعیف" کا لفظ استعمال کیا جائے، یا جس کو منكر الحديث، حديثه منكر، واه، اور ضعفوه کہا جائے۔

سلیمان بن داؤد خولانی | ان کے تذکرے میں بے سروپا باتوں کے ساتھ ساتھ اس طرح تنقید اور زبان طعن درازی کی ہے:

"پتہ نہیں مولانا حبیب الرحمٰن اور ابوغدہ اس راوی کی توثیق کی فکر میں کیوں

---

(۱) تدریب الراوی ۱/۳۴۶

لگے ہوئے ہیں، درانحالیکہ ان کی ایک روایت احناف کے مذہب کے رد میں موجود ہے''۔

اس سے بھی ثابت ہو گیا کہ علامہ اعظمیؒ اور شیخ ابوغدہ کے پیش نظر ایک علمی تحقیق تھی، اپنے مذہب کی جانبداری، بے جا حمایت نہیں تھی، اور تنگ نظری وکم ظرفی دامن گیر نہیں تھی۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ ''اس راوی کی توثیق کی فکر میں کیوں لگے ہوئے ہیں''، تو صرف مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ اور ابوغدہ کی طرف روئے سخن کرنا بغض وعداوت اور حسد وکینہ کی بنا پر ہے یا نہیں؟ ورنہ جب سلیمان کی تعریف ابوزرعہ، ابوحاتم، عثمان بن سعید اور حفاظ کی ایک جماعت نے کی ہے، اور ابن حجر نے **لاریب في أنه صدوق** کہا ہے، تو ان سب لوگوں کا نام لے کر اپنی بے چینی اور اضطراب کا اظہار کرتے کہ یہ تمام لوگ ''اس راوی کی توثیق کی فکر میں کیوں لگے ہوئے ہیں''۔

مضمون نگار نے آگے جو لکھا ہے وہ ہمارے لیے مفید مطلب ومدعا اور ان کے علم وفہم کے لیے رسوا کن اور باعث گریہ وماتم ہے، لکھتے ہیں:

''اس راوی کے متعلق امام ذہبی کا فیصلہ بھی سن لیں، ذہبی فرماتے ہیں: **مختلف فيه**''

ذہبی کا فیصلہ سن لیا، اور آپ کو بھی یاد ہوگا کہ جس راوی کی نسبت **مختلف فيه** کہا جائے، اس کی حدیث حسن کے درجے میں ہوتی ہے، اور اگر نہ یاد ہو تو راشد ابن داؤد صنعانی کے تذکرے میں اس کو ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔

اس کے بعد لکھا ہے:

''اور اپنے محبوب شیخ ابن معین کا بھی فیصلہ سن لیں، ان کا ایک قول یہ ہے کہ

"لیس بمعروف" اوردوسرا قول ہے کہ "لیس بشیء"۔
معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے محبوب صرف شیخ ابن معین ہی نہیں ہیں بلکہ ہمارے محبوب جملہ محدثین ہیں، اور بحمد اللہ یہ محبت ہمارے لیے وجہ نازش اور سرمایۂ فخر وامتیاز ہے۔

لیکن مضمون نگار صاحب اور ان کے اعوان وانصار! ذرا آپ فرمائیں کہ کیا ابن معین آپ کے محبوب نہیں ہیں، کہ دوسروں کو ان کی محبت کا طعنہ دیتے اور جملہ کستے ہیں، آپ حضرات امام بخاری کی محبت کا تو ایسا دم بھرتے ہیں کہ ان کی جھوٹی محبت میں بڑے بڑے علماء دین اور ائمہ کبار کا خاکہ اڑانے سے بھی پرہیز نہیں کرتے، اور کوئی علم وتحقیق کے واسطے ان کے استاذ ابن معین (امام بخاری کے جلیل القدر استاذ اور شیخ ہیں) کا قول نقل کرتا ہے، تو اس کو محبوب ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، یہ ہے امام بخاری اور حدیث کی جھوٹی محبت اور زبانی جمع خرچ۔

اور اگر "محبوب" ہی کا طعنہ دینا تھا، تو اس سے پہلے آپ کے اس تیر ونشتر کا رخ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کی طرف ہونا چاہئے تھا، جو ابن معین کی جرح وتعدیل کو اتنی اہمیت دیتے ہیں، کہ ان کے قول کے سامنے کسی کے قول کو حتی کہ امام بخاری اور ان کے استاذ امام احمد کے قول کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، ابکار المنن دیکھئے اس میں جگہ جگہ یہ چیز آپ کو ملے گی، مثلاً:

صفحہ ۵۰ پر ہے: يحيى بن معين إمام هذا الشان.

صفحہ ۳۷۴ اور ۵۸۷ پر ہے: إمام الجرح والتعديل يحيى بن معين.

صفحہ ۶۵۲ پر ہے: إمام هذا الشان يحيى بن معين.

اس کے بعد ابن معین کے قول کو لیجئے، تو ابن معین نے ان کی نسبت لیس

بمعروف جو کہا ہے، وہ ان کے لیے قادح نہیں ہے، کیونکہ اگر ابن معین نے لیس بمعروف کہا ہے تو اس وجہ سے کہ ان کو اس کی معرفت نہیں ہے، لیکن جب ابوزرعہ، ابوحاتم، عثمان بن سعید اور حفاظ کی ایک جماعت نے ان کی تعریف کی ہے، تو ظاہر ہے کہ معرفت حاصل ہونے کی وجہ سے کی ہے، عدم معرفت کی وجہ سے تعریف تو کریں گے نہیں، لہذا معلوم ہوا کہ ان کو اس راوی کا علم ابن معین سے زیادہ ہے، اور اس زیادتی علم کی وجہ سے ان کی بات قابل قبول ہوگی، اور ابن معین کا لیس بمعروف کہنا ان کے لیے مضر نہیں ہوگا۔

اگر آپ کو ہماری یہ بات تسلیم نہیں ہے، تو مولانا مبارک پوری صاحب کی بات تو امید ہے کہ آپ مان لیں گے، وہ فرماتے ہیں: ویُقدَّم قول من عرفه علي من لم يعرفه (۱)۔ یعنی جس نے جانا اس کا قول اس پر مقدم ہوگا جس نے نہیں جانا۔

اور ابن معین کا جو دوسرا قول لیس بشيء ہے، تو اس کی نسبت عرض ہے کہ اس فقرے کو ابن معین ہمیشہ جرح ہی کے لیے نہیں استعمال کرتے ہیں، بلکہ کبھی تو راوی کی جرح مقصود ہوتی ہے، اور کبھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس راوی کی حدیثیں کم ہیں، عبدالعزیز بن المختار بصری کی نسبت ابن معین نے یہی جرح کی ہے، تو ان کے تذکرے میں حافظ ابن حجر نے علامہ ابن القطان سے نقل کیا ہے کہ: أن مراد ابن معين بقوله في بعض الروايات "ليس بشيء" يعني أن أحاديثه قليلة جداً۔ (۲)

اور سخاوی نے فتح المغیث میں اس طرح نقل کیا ہے: قال ابن القطان: إن ابن معين إذا قال في الراوي: "ليس بشيء" إنما يريد أنه لم يرو

(۱) ابکار المنن ص ۴۴ (۲) مقدمہ ص ۴۴۱، الرفع والتکمیل ص ۲۱۲

حديثاً كثيراً.(١)

تیسری بات یہ ہے کہ ذہبی نے ذکر من یعتمد قوله في الجرح والتعديل میں لکھا ہے: وابن معين وأبو حاتم والجوزجاني: متعنتون. یعنی ابن معین، ابوحاتم اور جوزجانی سب کا شمار متعنتین میں ہوتا ہے۔

اور اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ متعنت کی توثیق تو مضبوطی سے تھام لینے کے قابل ہوتی ہے، لیکن اس کی جرح جب تک مفسّر نہ ہو، اور سبب جرح کا بیان نہ ہو، اس وقت تک دوسروں کی تعدیل کے مقابلے میں لائق التفات نہیں ہوتی ہے، امام ذہبی نے اسی کتاب میں لکھا ہے:

وإذا ضعف رجلاً فانظر هل وافقه غيره على تضعيفه، فإن وافقه، ولم يوثق ذاك أحد من الحذاق، فهو ضعيف، وإن وثقه أحد، فهذا الذي قالوا فيه: لا يقبل تجريحه إلا مفسّراً، يعني لا يكفي أن يقول فيه ابن معين مثلاً: هو ضعيف، ولم يوضّح سبب ضعفه، وغيره قد وثقه، فمثل هذا يُتوقّف

اور جب (متعنت) کسی راوی کی تضعیف کرے تو دیکھو کہ اس کی تضعیف میں کسی نے اس کی موافقت کی ہے یا نہیں، اگر کسی نے اس کی موافقت کی ہے اور کسی ماہر فن نے اس کی توثیق کی ہے، تو اب جارح کے بارے میں محدثین نے کہا ہے کہ اس کی جرح اسی وقت قابل قبول ہوگی جب کہ مفسر ہو، یعنی ابن معین اگر اس کی نسبت صرف ضعیف کہتے ہیں اور سبب نہیں بیان کرتے اور دوسرا ان کی توثیق کرتا ہے، تو ابن معین کا ضعیف کہنا کافی نہ ہوگا، ایسے راوی کی

(١) الرفع والتکمیل ص ٢١٣

فی تصحیح حدیثہ، وھو الی الحسن اقرب. (۱) — حدیث کی تصحیح میں توقف کیا جائے گا، اور اس کی حدیث حسن کے قریب ہوگی۔

طالب بن حبیب مدنی | پر علامہ اعظمیؒ کی تحقیق پر مضمون نگار نے جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

"امام ذہبی کا فیصلہ سن لیجئے، المغنی فی الضعفاء میں فرماتے ہیں: "واہ" یعنی بالکل واہی شخص ہے، ان کے بعد ابن عدی کا کلام ذکر فرمایا ہے، لہذا ان مجموعۂ کلام کے بعد اس راوی کا درجہ مختلف فیہ ہوگا"۔

اس میں مضمون نگار نے المغنی سے ذہبی کا قول "واہ" نقل کر کے اور اس کا ترجمہ "بالکل واہی شخص ہے" کر کے آنکھ میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے، مغنی کے علاوہ ذہبی کی دوسری کتاب دیکھ کر اس کا بھی حوالہ دینا چاہئے تھا، دیکھئے امام ذہبی نے میزان میں اس راوی کی نسبت "ضُعِّف" لکھا ہے، اور "واہ" اور "ضُعِّف" دونوں جرح مبہم کے قبیل سے ہیں، لہذا جب تک بیان سبب نہ ہو توثیق کے مقابلے میں لائق اعتنا نہیں ہے، اور اس کی حدیث حسن کے درجے میں ہوگی۔

اور لفظ ضُعِّف تو "ضعیف" سے بھی ہلکا ہے۔ امام ذہبی میزان کے مقدمے میں ضعیف اور واہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ثم یضعف، وفیہ ضعف، وقد ضعف. جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضُعِّف کا لفظ ضعیف سے ہلکا ہے۔

میری بات کی تائید حافظ ابن حجر کے طرز عمل سے بھی ہوتی ہے، انھوں نے اس راوی کی نسبت صدوق یھم کا لفظ لکھا ہے، اور ابن حجر یہ صیغہ اس راوی کے لیے استعمال کرتے ہیں جو صدوق سے ذرا سا کمتر درجے کا ہوتا ہے، اور یہ بھی حافظ ابن حجر

---

(۱) اربع رسائل فی علوم الحدیث ص۱۵۹

کے نزدیک ایک طرح کی توثیق ہی ہوتی ہے، جو اگر چہ کمتر درجے کی ہوتی ہے، اور ایسے راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے۔

اس کے بعد مضمون نگار نے لکھا ہے:

"لہذا اس کے بارے میں جرح مفسر مقبول اور غیر مفسر مردود ہوگا، اور ماہرین فن جانتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا یہ قول "فیہ نظر" جرح مفسر کا حکم رکھتا ہے"۔

ان کی پہلی بات بالکل صحیح ہے کہ جرح مفسر مقبول اور غیر مفسر مردود ہوگی، لیکن فیہ نظر کس طرح جرح مفسر ہے، ذرا شاغف صاحب اس تفسیر کی توضیح کریں، آپ تو ماہرین فن میں سے ہیں اس لیے آپ جانتے ہیں، آپ مہربانی کر کے اس کی وضاحت کر دیں تا کہ ہم جیسے لوگ جو اس فن سے ناواقف ہیں وہ بھی جان لیں، اور آپ عند اللہ ماجور ہوں۔

صعصعہ بن ناجیہ کے ذیل میں مضمون نگار ابوالاشبال شاغف صاحب نے لکھا ہے:

"امام عالی مقام نے "باب صعصعۃ" کے بعد حسب اصطلاح سب سے پہلے ان کا ذکر فرمایا...... پھر ایک سند سے حدیث بیان کی اور اس کے بعد "فیہ نظر" کہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں نظر ہے نہ کہ ان کی صحابیت یا ثقاہت میں"۔

ناظرین! ہم جو بات بار بار کہتے چلے آرہے ہیں کہ ابوالاشبال احمد شاغف نے حضرت محدث اعظمیؒ کی تحقیق کا ایک لفظ نہیں سمجھا ہے، وہ اپنی آتش حسد کو دبا نہیں سکے ہیں، اور دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے مقالہ نگاری کے

شوق میں مضمون لکھ مارا ہے۔

ناظرین علامہ اعظمی کی تحقیق اور اس تحقیق سے برآمد نتائج کو ایک مرتبہ پھر پڑھیں مضمون نگار کا فہم وتدبر واضح ہو جائے گا، علامہ اعظمیؒ نے بخاری کے قول "فیہ نظر" سے متعلق جو تحقیق پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ امام بخاری کے فیہ نظر کہنے کو علی الاطلاق راوی کے متروک ہونے پر محمول کرتے ہیں، وہ خود امام بخاری اور دوسرے ائمہ فن کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے صحیح نہیں ہے، بلکہ کبھی تو اس سے یہ مراد ہوتا ہے کہ راوی متروک ہے، اور کبھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ سند میں کوئی نظر ہے، اور کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس راوی کے سلسلۂ سند سے جو حدیث آئی ہے اس میں کسی علت کی بنا پر نظر ہے، لہذا یہاں علامہ اعظمی کی تحقیق میں صعصعہ بن ناجیہ کی صحابیت یا ثقاہت کہاں سے منظور فیہ ہو جائے گی، جب کہ آنجناب دانستہ یا نادانستہ اب تک راوی ہی کو ضعیف، واہی او. متروک وغیرہ کہتے چلے آرہے ہیں، اور اس مضمون کے آخر میں بھی آپ نے یہی لکھا ہے، دیکھئے صفحہ ۳۳ کے کالم ۲ میں مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں: "یہی وہ کل کائنات ہے جس کی بنا پر امام بخاریؒ پر اعتراض اور ان کے قاعدہ کو توڑنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس کے متعلق امام بخاری "فیہ نظر" فرما دیں وہ راوی متروک و متہم ہوتا ہے"۔

مضمون نگار صاحب خود ہی اپنی دونوں باتوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کریں۔

عبدالرحمٰن بن سلمان رُعینی | کے تذکرے میں مضمون نگار نے لکھا ہے:

"امام مسلم نے جو روایت ان سے لی ہے اس پر ہی اعتماد نہیں کیا ہے بلکہ اس روایت کے کئی طرق ذکر کرنے کے بعد اس کا ذکر کیا ہے، گویا اس کی حیثیت متابع کی ہے یعنی اصول میں نہیں ہے"۔

اس اقتباس سے پہلے ہم نے مضمون نگار کی جو عبارت نقل کی ہے، اس میں انھوں نے یہ قاعدہ بتایا ہے کہ امام بخاریؒ جس کے متعلق فیہ نظر کہہ دیں، وہ راوی متروک ومتہم ہوتا ہے، تو کیا امام مسلم نے (متابعۃ ہی سہی) متروک ومتہم راوی کی روایت لی ہے؟

اس کے بعد شاغف صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ:

”لہٰذا اس سے امام بخاریؒ پر اعتراض کی بنیاد رکھنے والا اجہل الناس میں شمار کیا جائے گا“۔

اولاً: جس چیز کو وہ اب تک امام بخاری پر اعتراض قرار دیتے چلے آئے ہیں، وہ اعتراض نہیں بلکہ امام بخاریؒ کے قول کی تحقیق، یا اس کی تشریح وتوضیح ہے۔

ثانیاً: بالفرض اس کو امام بخاری پر اعتراض ہی مان لیں، تو کیا اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں متابعت کے طور پر متروک اور متہم راوی کی روایت لی ہے؟ اعلم الناس صاحب ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیں۔

آگے انھوں نے عبدالرحمٰن بن سلمان کا پورا تذکرہ تہذیب التہذیب سے نقل کر کے لکھا ہے:

”یہ وہ عبارتیں ہیں جو تہذیب التہذیب میں موجود ہیں، جن میں سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے حسب منشا اپنے مفید مطلب نقل کر لیا اور بقیہ کو چھوڑ دیا“۔

اس میں انھوں نے ”مفید مطلب نقل کرنے“ کا جو طعنہ دیا ہے، وہ اس وقت صادق آتی، جب علامہ اعظمیؒ اس عبارت کا کچھ ایسا حصہ چھوڑ دیتے جو ان کے مطلب کے خلاف ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، علامہ اعظمیؒ نے اپنی تحریر میں تہذیب کی

پوری عبارت نہ نقل کر کے اس کا اختصار یا خلاصہ پیش کیا ہے، اور بقیہ کو جو چھوڑا ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ ان کے مطلب کے خلاف ہے، یا اس میں اس راوی کے اوپر جرح ہے، بلکہ اس چھوڑے ہوئے حصے میں اس راوی کی روایت کے سلسلے میں کچھ تفصیل اور وضاحت ہے۔

اور اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ چھوڑے ہوئے حصے میں راوی پر جرح ہے، تب بھی مولانا اعظمیؒ پر کوئی الزام نہیں آسکتا، اس لیے کہ وہ تو اسی بات کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے فلاں فلاں ائمۂ فن نے راوی کی توثیق کی ہے، لہٰذا اس توثیق کے بعد راوی کو متروک کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ یعنی ان لوگوں کی توثیق اس کو متروک اور متہم قرار دینے سے مانع ہے۔

اس کے بعد مضمون نگار نے لکھا ہے:

''امام نسائی نے ''الضعفاء والمتروکین'' میں انکے متعلق ''لیس بالقوی'' فرمایا ہے''۔

سوال یہ ہے کہ اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟ غالباً امام نسائی کی الضعفاء والمتروکین میں ان کے قول لیس بالقوي کو دیکھ کر اس فقرے سے عبدالرحمٰن کو متروک یا مجروح ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ نسائی کے لیس بالقوی کہنے سے راوی مجروح نہیں ہوتا ہے۔

دلیل یہ ہے کہ احمد بن بشیر کوفی کی نسبت نسائی نے لیس بذلک القوي کہا ہے، اس پر حافظ ابن حجر نے مقدمے میں لکھا ہے: فأما تضعيف النسائي له فمشعر بانه غير حافظ، یعنی نسائی کی تضعیف سے ان کا حافظ نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حسن بن صباح کی نسبت امام نسائی نے لیس بالقوی کہا تو حافظ ابن حجر

نے مقدمے میں لکھا: هذا تليين هين، یہ ایک ہلکی جرح ہے۔

اور امام ذہبی نے الموقظة (۱) میں لکھا ہے: وقد قيل في جماعات: ليس بالقوي، واحتُجَّ به. وهذا النسائي قد قال في عدة: ليس بالقوي، ويخرج لهم في "كتابه"، قال: قولنا: "ليس بالقوي" ليس بجرح مفسد." یعنی بہت سے راویوں کے باب میں ليس بالقوي کہا گیا ہے اور پھر ان سے احتجاج بھی کیا گیا ہے، یہ دیکھئے امام نسائی ہیں، کئی ایک راوی کی نسبت انھوں نے ليس بالقوي کہا اور پھر اپنی کتاب میں ان کی حدیث بھی لی۔ نسائی نے کہا ہے کہ ہمارا ليس بالقوي کہنا فاسد کرنے والی جرح نہیں ہے۔

اگر اب بھی تسلی نہ ہوئی ہو، تو مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب کا بھی قول سن لیں، وہ فرماتے ہیں: وأما قول النسائي: "ليس بالقوي" أيضاً غير قادح، فإنه مجمل، مع أنه متعنت، وتعنته مشهور (۲). یعنی نسائی کا "ليس بالقوي" کہنا مضر نہیں ہے، اس لیے کہ وہ مجمل ہے، اسی کے ساتھ یہ کہ وہ متعنت ہیں، اور ان کا تعنُّت مشہور ہے۔

اور جب عبدالرحمٰن کے بارے میں امام نسائی نے ليس بالقوي کے ساتھ ساتھ ليس به بأس بھی کہا ہے تو اس سے ان کی جرح اور غیر مؤثر ہو جائے گی۔

آگے انھوں نے امام بخاری کی عبارت نقل کر کے یہ جو لکھا ہے کہ:

"جس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن سلمان کی روایت جو عقیل سے ہے اس میں نظر ہے یعنی صحیح نہیں ہے"۔

تو اس میں انھوں نے "صحیح نہیں ہے" کا مطلب امام بخاری کے کس لفظ سے اخذ کیا

(۱) ص ۸۲ (۲) ابکار المنن ص ۲۵۵، ۲۵۹

ہے، کیا فیہ نظر کا مطلب ''صحیح نہیں ہے'' ہوتا ہے، اگر اس کا مطلب یہی ہے تو یہ ایک نیا انکشاف ہے۔

اس کے بعد انھوں نے لکھا ہے:

''جس کو سمجھے بغیر یہ بتا دیا گیا کہ امام بخاریؒ نے عبدالرحمٰن بن سلمان کے متعلق ''فیہ نظر'' فرمایا ہے''۔

عبدالرحمٰن بن سلمان کے متعلق ''فیہ نظر'' بتانے والے کون لوگ ہیں، اس کو بھی دیکھ لیں۔

تہذیب میں ہے: وقال البخاري: فيه نظر. بخاری نے فیہ نظر کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے: وقال البخاري: فيه نظر. یعنی بخاری نے فیہ نظر کہا ہے۔

حافظ عراقی (۱) نے لکھا ہے: قال البخاري: فيه نظر.

لہٰذا سمجھے بغیر عبدالرحمٰن کے متعلق فیہ نظر بتانے والے کون لوگ ٹھہرے، یہ امام ذہبی، حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے ائمۂ فن ہیں۔

اور اگر مضمون نگار صاحب یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے عبدالرحمٰن کے متعلق فیہ نظر نہیں کہا ہے، تو پھر الضعفاء میں ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے، جس کی وجہ سے ابوحاتم کو کہنا پڑا کہ يُحوّل من هناك ان کو وہاں سے ہٹایا جائے۔

خاتمہ | مذکورہ بالا راویوں کا سہارا لے کر مضمون نگار موصوف نے علامہ اعظمیؒ اور شیخ ابوغدہؒ کے خلاف تنقید کے نام پر جو ہرزہ سرائی کی ہے، اس کا دفعیہ تو ہو چکا، آخر میں

---

(۱) البہان والتوضیح ص ۱۲۸

انھوں نے کچھ باتیں خلاصۂ کلام یا تتمہ کے طور پر لکھی ہیں، ذرا ان پر بھی ایک نظر ڈال لیں، تاکہ اس حصے کو وہ لاجواب نہ سمجھیں، لکھا ہے:

''یہی وہ کل کائنات ہے جس کی بنیاد پر امام بخاریؒ پر اعتراض اور ان کے اس قاعدہ کو توڑنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس کے متعلق امام بخاری فیہ نظر فرمادیں وہ راوی متروک و متہم ہوتا ہے''۔

آگے لکھتے ہیں:

''اگر ان گیارہ راویوں پر امام المحدثین سید الفقہاء کا کلام صحیح ثابت نہ ہوسکے، بلکہ یہ سارے راوی ثقہ ثابت ہوجائیں تب بھی ان کا بنایا ہوا قاعدہ جوں کا توں باقی رہے گا''۔

اور چند سطر بعد لکھتے ہیں:

''بیس بائیس ہزار راویوں کا ترجمہ لکھنے والا اور ان میں سے اکثر بیشتر راویوں کی صحیح پوزیشن کو کلمات جرح وتعدیل کے ساتھ واضح کرنے والا اگر گیارہ راویوں کے متعلق کلام کرتے ہوئے چوک گیا تو اس پر کیچڑ اچھالنا اور اس پر اعتراض کرنا شرافت سے گری ہوئی بات ہے''۔

ہم نے بار بار لکھا ہے کہ علامہ اعظمیؒ نے ایک علمی وفنی تحقیق کی ہے، امام بخاری پر اعتراض نہیں کیا ہے، علامہ اعظمیؒ کی پوری تحریر کے ایک لفظ سے بھی امام بخاری پر اعتراض ثابت نہیں کیا جاسکتا، اعتراض تو جب ہوتا کہ کوئی بات امام بخاری کے خلاف پیش کی ہوتی، بلکہ حضرت محدث الاعظمی کی تحقیق کا تو منشأ یہ ہے کہ امام بخاری کے قول کا جو ایک خاص محمل متعین کردیا گیا ہے وہ محل نظر اور تحقیق طلب ہے، اس لیے کہ ان کے قول کے اس خاص محمل کے علاوہ اور بھی محامل ہوسکتے ہیں۔

اور اگر اس کو اعتراض ہی کہہ لیں، تو کیا امام بخاری پر اعتراض کرنا شرافت سے گری ہوئی بات ہے، اور سیکڑوں علماء فقہاء اور اہل اللہ پر کیچڑ اچھالنا، ان کے اوپر اعتراض کرنا، حتی کہ صحابہ کرامؓ تک کے دامنِ تقدس کو نہ چھوڑنا عین شرافت ہے۔

آپ اگر فیہ نظر کہنے سے راوی کے متروک ومتہم ہونے کو امام بخاری کا بنایا ہوا قاعدہ کہہ رہے ہیں، تو آپ کے اوپر لازم ہے کہ پہلے آپ اس قاعدے کو امام بخاری کے کسی قول یا تصریح سے ثابت کریں، کہ کہاں اور کس جگہ امام بخاری نے اس کو اپنا قاعدہ بتایا ہے کہ جس راوی کی نسبت وہ فیہ نظر کہہ دیں گے تو وہ متروک یا متہم ہو جائے گا۔

اسی کے ساتھ امام بخاری کے قول سے یہ بھی ثابت کریں کہ اگر کوئی دوسرا امام ایسے راوی کو متروک ومتہم نہ مانے تو یہ ان کے اوپر اعتراض اور کیچڑ اچھالنا ہوگا، اور مضمون نگار کو چاہئے کہ امام بخاری کے اس قول کی سند کے لیے کوئی حدیث بھی پیش کریں، جو صحیح بخاری میں ہو، یا کم از کم مرفوع متصل ہو۔

اسی اثناء میں مضمون نگار صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”بفضلہٖ تعالیٰ بڑی عجلت میں ان پر مختصر نقد وتبصرہ کر کے احقاق حق وابطال باطل کر دیا گیا ہے،...... ورنہ پھر کبھی تفصیل کے ساتھ مالہ وماعلیہ کو بیان کیا جائے گا۔“

ظاہر ہے ان راویوں کو متروک ومتہم ثابت کرنے کے لیے یہ سارے پاپڑ آپ نے بیلے ہیں، کیونکہ آپ کے قول کے مطابق امام بخاری کے بنائے ہوئے اس قاعدے پر اعتراض وارد ہوتا ہے، لیکن بفضلہٖ تعالیٰ آپ ایک راوی کو بھی متروک ومتہم ثابت نہیں کر سکے ہیں، لہٰذا ہم کو انتظار ہوگا کہ عجلت کے بجائے فرصت میں اور مختصر کے بجائے مفصل نقد وتبصرہ کر کے مالہ وماعلیہ کو بیان کریں گے۔

ہماری مطبوعات

تحقیق اہل حدیث صفحات: ۵۲ قیمت: =/۱۵روپے	**نصرۃ الحدیث** صفحات: ۲۲۶ قیمت: =/۵۰روپے	**دست کار اہل شرف** صفحات: ۱۶۰ قیمت: =/۷۰روپے
انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت صفحات: ۱۲۳ قیمت: =/۳۵روپے	**ایثار آخرت** صفحات: ۳۴۰ قیمت: =/۵۰روپے	**حیات ابوالمآثر** صفحات: ۷۳۲ قیمت: =/۳۰۰روپے
شارع حقیقی صفحات: ۸۰ قیمت: =/۲۰رو	**ترغیب الصلوٰۃ** صفحات: ۴۰ قیمت: =/۱۲رو	**مقالات ابوالمآثر** صفحات: ۲۰۶ قیمت: =/۱۴۰روپے
الاعلام المرفوعہ فی حکم الطلقات المجموعہ صفحات: ۱۱۵ قیمت: =/۲۵روپے	**رکعات تراویح** صفحات: ۱۲۷ قیمت: =/۳۰روپے	**رہبر حجاج** صفحات: ۸۰ قیمت: =/۱۲روپے
اعیان الحجاج اول: =/۸۰روپے دوم: =/۶۰روپے	**حسن ادب اور اس کی اہمیت** صفحات: ۳۹ جدید ایڈیشن قیمت: =/۲۰روپے	**اہل دل کی دل آویز باتیں** صفحات: ۵۵ قیمت: =/۲۰روپے
دار الاسلام اور دار الحرب صفحات: ۱۱۷ قیمت: =/۳۵روپے	**بیمہ اور اس کا شرعی حکم** صفحات: ۸۰ قیمت: =/۲۵روپے	**تعدیل رجال بخاری** صفحات: ۲۵۸ قیمت: =/۸۰روپے
الحبیب دائمی تقویم صفحات ۳۶ قیمت -/۵	**دلیل المحرمات** صفحات: ۱۰۸ قیمت: ۳۵روپے	**نماز تراویح کا صحیح طریقہ نبوی** صفحات ۵۶ قیمت -/۲۵
مسئلہ رویت ہلال صفحات: ۵۶ قیمت: =/۲۰روپے	**پیکر مہر و وفا** صفحات: ۱۲۸ قیمت: -/۴۰	**ابطال عزاداری** صفحات: ۹۴ قیمت: =/۳۰روپے
عظمت صحابہؓ صفحات: ۸۹ قیمت: =/۳۰روپے	**التنقید السدید** صفحات: ۷۰ قیمت: =/۲۵روپے	**دلیل القاضی فی مسائل الاضاحی** صفحات: ۱۶۲ قیمت: =/۵۵روپے

MADRASA MIRQATUL ULOOM

P.O. BOX No. 1, MAU - 275101 (U.P) INDIA

Ph. 2220469